نام کتاب: مسئلہ تکفیر و کف لسان

نام مصنف: مناظر اعظم، فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی مدظلہ العالی

کمپوزنگ: مولانا احمر رضوی

صفحات: ۲۵۶

اشاعت: جمادی الاول ۱۴۴۶ھ/ نومبر ۲۰۲۴ء بموقع عرس قاسمی، مارہرہ شریف

ناشر

مفتی محمد ایوب اشرفی (ایجوکیشن سنٹر بولٹن، یوکے)

ہندوستان میں ملنے کے پتے

- جامعہ نوریہ، شام پور، رائے گنج، اتر دیناج پور، بنگال
  فون نمبر: 8942832397
- خانقاہ عالیہ قادریہ، بدایوں شریف
- خواجہ بک ڈپو، جامع مسجد، دہلی
- امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف
- القلم فاؤنڈیشن، سلطان گنج، پٹنہ

انتساب

بانیِ سلسلۂ قادریہ برکاتیہ

سلطان العاشقین صاحب البرکات حضرت سیدنا ومولانا شاہ

برکت اللہ عشقی قادری مارہروی قدس سرہٗ

(وصال:۱۱۴۲ھ)

کے نام

جن کی ذاتِ بابرکت مصدرِ فیوض وبرکات ہے

فہرست مشمولات

Made with Xodo PDF Reader and Editor

تقریظ مبارک

تاج المشائخ امین ملت حضرت سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی مارہروی
(سجادہ نشین خانقاہ عالیہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ)

سوادِ اعظم اہل سنت کی علمی شناخت جن معتبر سنجیدہ اور مثبت افراد سے قائم ہے ان میں فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمٰن مضطر کا نام سر فہرست ہے۔ مفتی صاحب ایک صاحب طرز، مذہبی نثر نگار اور تبحر علمی سے مالا مال مفتی ہونے کے ساتھ مسلک و مذہب کے حوالے سے بے حد متصلب اور ثابت قدم بھی تصور کیے جاتے ہیں۔ مفتی صاحب کی علمی خدمات سے صرف نظر ان کی ذات کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ انھوں نے ہمیشہ اپنے اکابرین سے بے لوث محبت کی اور ان سے اٹوٹ رشتہ عقیدت و غلامی وابستہ رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ اکابرین مارہرہ مطہرہ و بریلی شریف نے بھی آپ پر اپنے الطاف و عنایات خوب برسائے۔ سرکار مفتی اعظم کی دیرینہ شرف صحبت، آپ کی آغوش شفقت میں درس و تدریس اور خصوصی تربیت نے مفتی صاحب کی شخصیت میں ایسا نکھار پیدا کر دیا کہ آج اہل سنت کی زریں تاریخ کے صفحات میں مفتی صاحب کا نام جلی حروف سے ثبت ہے۔

مفتی صاحب نے اپنی ساری زندگی اہل سنت کے عقائد و اصول کے تحفظ و صیانت میں صرف کر دی اور باطل افکار و نظریات کا خوب زدوکوب کیا، فتنہ وہابیت ہو یا مکر دیابنہ، اہل تشیع کا طغیان ہو یا ناصبیت کی شر انگیزی مفتی صاحب نے اپنے مناظرات، خطابات اور کتابوں کے ذریعے سے اہل سنت کے دفاع کی عظیم ذمہ داری

ادا کرنے کا فریضہ انجام دیا۔ مفتی صاحب کی قلمی خدمات پچاس سال سے زیادہ کو محیط ہے جس میں درجنوں کتابیں اور سیکڑوں مقالہ جات شامل ہیں اور ان تمام کی خصوصیت یہ ہے کہ ان تحریروں میں خالص تحقیقی و اصولی مباحث کے ساتھ مسلک اعلی حضرت کی خوب ترجمانی کی گئی ہے۔ فقیر برکاتی نے آپ کی بہت سی کتابوں کو دیکھا مثلا مسئلہ اذان واقامت کا صحیح نظریہ، اہل قبلہ کی تکفیر، امام احمد رضا کا قصیدہ در مناقب عائشہ صدیقہ کا علمی مطالعہ، تقلید کیوں؟، تحقیق و تعاقب، ڈاڑھی کی شرعی مقدار، قول فیصل، فتاوی فیض الرحمٰن، خلف وعید اور امکان کذب، یہ ساری کتابیں ایسے موضوعات پر مشتمل ہیں جن پر مخالفین اہل سنت کی جانب سے یلغار تھی مگر مفتی صاحب نے احسن طریقے سے نہ صرف ان پر لکھا بلکہ باطل کے خیموں میں لرزہ طاری کر دیا۔ مفتی صاحب کی پیش نظر کتاب ”مسئلہ تکفیر وکف لسان“ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

مسئلہ تکفیر وکف لسان یقیناً انتہائی نازک اور اور محتاط قضیہ ہے جس میں ذرہ برابر بھی کوتاہی اسلام سے خروج کے لیے کافی ہے۔ مفتی صاحب نے اس کتاب سے قبل بھی دیوبندیوں کی تکفیر پر بہت مفصل کتاب لکھی تھی اور سیدی اعلی حضرت کے بیان کردہ موقف کو انتہائی وضاحت کے ساتھ تحریر کیا تھا اور اب اس کتاب میں ان پر اجمالی روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ مولوی اسماعیل دہلوی کی تکفیر سے کف لسان کے اسباب و وجوہات اور کف لسان کے طرق اور اس کے اصول وضوابط کو اس قدر عمدگی کے ساتھ بیان کیا کہ میری نظر میں مفتی صاحب کی یہ کتاب رضویات کے باب میں بہت عظیم اور اہم اضافہ ہے، اس مسئلے کے بہت سے وہ عقدے جو آج تک لاینحل تھے اور بہت سے

Made with Xodo PDF Reader and Editor

وہ پہلو جو آج تک پردۂ خفا میں تھے الحمد للہ مفتی صاحب نے اپنے پیر و مرشد حضور مفتی اعظم کے فیض سے ان سب کی شرح و تفصیل فرمادی اور گزشتہ ایک صدی سے تشنگان علم و تحقیق جس کے لیے سرگرداں تھے ان کو سیرابی عطا فرمادی۔

فقیر برکاتی کے پاس جب کتاب کا مسودہ پہنچا تو یہ دیکھ کر بھی انتہائی مسرت ہوئی کہ عزیزم مولانا عطیف میاں قادری (سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف) نے اس کتاب پر گراں قدر مقدمہ لکھا ہے جو بہت ہی علمی اور وقیع ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ دور حاضر میں یہ عطیف میاں کا ہی حصہ ہے کہ وہ اپنے اجداد کے سچے علمی و روحانی وارث ہیں۔

خانقاہ برکاتیہ کی جانب سے مفتی صاحب کی خدمت میں اس عظیم اور دستاویزی کام پر مبارک باد پیش کی جاتی ہے، اور اس بات کا اعتراف کیا جاتا ہے کہ مفتی صاحب نے ماضی میں بھی ایسے ہی کارہائے نمایاں انجام دیے اور آج تک ان کی خدمات کا یہ سلسلہ جاری و ساری ہے، رضویات اور مسلک اعلی حضرت کی نشر و اشاعت اور تبلیغ و ترویج میں جتنی قربانیاں مفتی صاحب نے پیش کیں ان کی مثال ناپید و عنقا ہے۔ اللہ تعالی مفتی صاحب کا سایہ دراز فرمائے، ان کی خدمات کو قبول کرے اور اکابرین مارہرہ و بریلی شریف کی روحانی اور باطنی سرپرستی دنیا و عقبی میں ان کی سرفرازی کا سامان بنے۔ آمین بجاہ حبیبہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

تقدیم

از: وارث علوم سیف اللہ المسلول، جانشین تاجدار اہل سنت
حضرت علامہ شیخ عبدالغنی محمد عطیف میاں قادری بدایونی
(زیب سجادہ خانقاہ عالیہ قادریہ، بدایوں شریف)

۸ر مارچ ۲۰۲۴ء کی بات ہے فقیہ النفس، مناظر اہل سنت حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن مضطر رضوی صاحب ناسازی طبیعت کے باوجود کرم خسروانہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں تشریف لائے اور میزبانی کا شرف بخشا۔ چار دن کے قیام میں مختلف موضوعات پر آپ سے علمی تبادلہ خیال رہا۔ اسی درمیان آپ نے اپنی تازہ علمی و تحقیقی تصنیف ''مسئلہ تکفیر و کف لسان'' فقیر کو دیتے ہوئے فرمایا کہ اس پر مقدمہ لکھ دیں، آپ کے مقدمے کے بعد ہی یہ کتاب طباعت کے لیے پریس کے حوالے ہوگی۔

یہ تو آپ کی محبت، کرم فرمائی اور بڑپن ہے ورنہ فقیر خود کو اس کا اہل نہیں سمجھتا، حکم کی تعمیل میں کتاب مذکور کا مطالعہ کیا، جس سے اندازہ ہوا کہ یہ کتاب علمی و تحقیقی ہے اور اس کا اسلوب بھی بہت شستہ اور سنجیدہ ہے۔

مسئلہ تکفیر انتہائی نازک، حساس، اہم اور دقت طلب ہے، ساتھ ہی باب تکفیر میں احتیاط شرط اول ہے، اسی لیے اس کے اصول وضوابط کو علمائے محققین نے بہت وضاحت وتفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، جو اہل علم وفن سے مخفی نہیں۔

زیرِ نظر کتاب میں مسئلہ تکفیر و کف لسان پر علماے اصولیین و محققین کے بیان کردہ اصول وضوابط کی روشنی میں انتہائی شافی و وافی اور سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

حضرت مفتی صاحب کی یہ کتاب دراصل استفتا کے جواب میں معرض وجود میں آئی، جس میں شاہ اسماعیل دہلوی کی تکفیر سے کف لسان اور علماے دیو بند کی تکفیر کلامی کے متعلق چند ایرادات وشبہات کا اظہار کیا گیا تھا، مصنف کتاب، فقیہ النفس ہونے کے ساتھ ساتھ علم اصول وکلام پر بھی بہت گہری نظر رکھتے ہیں، لہٰذا آپ نے انتہائی عالمانہ اور تحقیقی انداز میں جواب قلم بند فرمایا۔ یقیناً اس موضوع پر اس سے زیادہ جامع اور اس قدر وضاحت کے ساتھ کوئی کتاب اب تک فقیر کی نگاہ سے نہیں گزری۔

مفتی صاحب کی شخصیت اہل سنت کے درمیان محتاج تعارف و بیان نہیں۔ آپ کی دقتِ نظری، وسعتِ مطالعہ اور محققانہ اسلوب پر گرفت کا اعتراف آپ کے معاصرین نے بھی فراخ دلی سے کیا ہے۔ اس کتاب میں اس کے جلوے خوب نظر آتے ہیں۔

اسماعیل دہلوی کی تحریروں سے ہندوستان میں بدعقیدگی کا جو دروازہ کھلا تھا آج وہ ہمارے سامنے ہے، اگر اُس دور میں اسماعیل دہلوی کا علمی دلائل کی بنیاد پر ردو ابطال نہ کیا گیا ہوتا تو آج کیا صورت حال ہوتی اس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

تقویت الایمان میں اسماعیل دہلوی کی بعض عبارات پر گرفت کرتے ہوئے علامہ فضل حق خیر آبادی نے ''تقریر اعتراضات بر تقویۃ الایمان'' تحریر فرما کر شاہ اسماعیل دہلوی کو اس کے کفر وضلالت پر آگاہ کیا، پھر علامہ خیر آبادی کے ساتھ دیگر

علمائے اہل سنت نے دہلی کی جامع مسجد میں شاہ اسماعیل دہلوی اور اس کے بعض حمایتی حضرات کو گفتگو اور مناظرے کے لیے دعوت دی، اس گفتگو کے لیے ایک فتوی مرتب کیا گیا، مگر شواہد بتاتے ہیں کہ اسماعیل دہلوی اور ان کے حامی حضرات سے کوئی جواب نہیں بن پڑا اور وہ عاجز و ساکت ہو گئے۔ سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول قادری بدایونی نے اس مناظرے کی روداد اپنی معرکۃ الآرا تصنیف ''سیف الجبار'' میں قدرے تفصیل سے قلم بند فرمائی اور تحریر فرمایا:

> مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی...نے ہر طرح مولوی اسماعیل کے روبرو ان کا رد و ابطال کیا اور تکفیر کی، نوبت تحریر کی آئی، مسئلہ شفاعت میں مولوی اسماعیل نے حرکت مذبوحی کچھ جواب میں کی، آخر کو عاجز و ساکت ہو گئے۔

اس کے بعد اسماعیل دہلوی نے رسالہ ''یک روزی'' تحریر کیا اور علامہ خیرآبادی کی ''تقریر اعتراضات'' کا رد کرنے کی کوشش کی، مگر بات پھر بھی نہ بن سکی، بلکہ اپنے کفریہ عقائد کو مزید تقویت ہی بخشی۔ اس کے بعد پھر علامہ نے ''تحقیق الفتوی'' تحریر فرما کر تفصیل سے اسماعیل دہلوی کا علمی دلائل پر مبنی پُر زور رد کر کے تکفیر کلامی کی اور یہ عبارت تحریر فرمائی:

> ''وہر کہ در کفر او شک آرد، یا تردّد در آرد، یا ایں استخفاف را سہل انگارد، کافر و بیدین و نا مسلمان و لعین است''

> ترجمہ: جو اس (اسماعیل دہلوی) کے کفر میں شک کرے یا متردد ہو یا اس کے اس استخفاف کو معمولی سمجھے وہ بھی کافر و بے دین، اور نا مسلمان

ولعین ہے۔

اس فتوے پر اس وقت کے ۱۷ نامور علما نے اپنی تائیدی دستخط کیے، جس کی تفصیل ''تحقیق الفتویٰ'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اس کے بعد اسماعیل دہلوی کے کفریات کا رد ہونے لگا۔ اس کے گمراہ کن نظریات وافکار کو قرآن وسنت سے واضح کیا گیا اور مسلمانوں کے عقائد کی حفاظت کی گئی۔ کچھ لوگ اسماعیل دہلوی کی حمایت میں بھی میدان میں آئے۔ الغرض اللہ تعالی نے جسے ہدایت دی وہ اسماعیلی فکر سے محفوظ رہا۔ علامہ خیر آبادی کے بعد اہل سنت کی طرف سے دین اسلام کا دفاع کرنے والوں میں حضور سیف اللہ المسلول مولانا شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ سرفہرست رہے، انہوں نے شاہ صاحب کے افکار ونظریات کے رد میں متعدد کتابیں تحریر فرمائیں۔ احقاق حق اور ابطال باطل کا یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

مسئلہ تکفیر ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ آنکھ بند کر کے کسی کی تکفیر کر دی جائے، یا بنا سوچے سمجھے کسی کے فتوی تکفیر کی تصدیق کر دی جائے۔ یا اصول تکفیر کی روشنی میں کسی پر فتوی تکفیر عائد ہو جانے کے بعد محض ہٹ دھرمی کی بنا پر تکفیر سے انکار کر دیا جائے، یا اصول تاویل سے چشم پوشی کر کے وجہ بتائے بغیر ہی کسی کی تکفیر سے کف لسان کر لیا جائے۔ بلکہ یہ سب مسائل تحقیق طلب ہیں جن میں کمال احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس میں علما کی آرا مختلف بھی ہو سکتی ہیں۔

مثال کے طور پر تعظیم رسول، علم غیب مصطفیٰ کی وسعت، انبیا واولیا کے مزارات پر حاضری اور نبی کریم ﷺ کو شفاعت بالوجاہت حاصل ہونے کا اعتقاد رکھنے

پر جو کفر کے فتوے صادر کیے گئے، ان فتووں کے دلائل بے حد کمزور، قرآن وسنت کے خلاف، ائمہ مجتہدین کے موقف کے برعکس تھے، جن کا علمی دلائل کی روشنی میں رد کیا گیا، جن کے مطالعے سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ تکفیری فتوے بالکل بے بنیاد اور باطل ہیں۔ ایسے فتووں سے اگر اختلاف نہ کیا جائے اور آنکھ بند کر کے اس کی تصدیق کی جائے تو یہ دین وایمان سے ہاتھ دھونے کے مترادف ہے۔ اس طرح کے فتاوے مسئلہ تکفیر میں تشدد کی انتہا پر پہنچے ہوئے ہیں۔ یہ علمی ذخیرہ آج بھی دنیا کے سامنے مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔

جب کہ دوسری طرف تساہل، ہٹ دھرمی اور مسئلہ تکفیر کے اصول وقواعد سے ناواقفیت کی انتہا یہ ہے کہ مرزا قادیانی کی تکفیر قطعی اجماعی کے باوجود بعض نام نہاد روشن خیال اس کے کفر کو اسلام ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

رہا تکفیر سے کف لسان کا مسئلہ! تو اس کے بھی اصول وضوابط اور شرائط ہیں، یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ مسئلہ یزید میں امام اعظم نے کف لسان کیا ہے اور امام احمد بن حنبل نے اس کی تکفیر کی ہے، بلکہ یہ سمجھنا ہوگا کہ ان دونوں حضرات نے کس بنیاد پر کف لسان یا تکفیر کی ہے؟ اور ان کے دلائل کیا ہیں؟ اگر دلائل کی روشنی میں دونوں موقف ثابت ہوتے ہیں تو ان دونوں حضرات میں سے کسی کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ دونوں حق پر ہیں، جس کی تفصیل زیر نظر کتاب میں موجود ہے۔ مصنف کتاب نے بہت وضاحت کے ساتھ دونوں کے دلائل کا ذکر کیا ہے، ایسی صورت میں یہ کہنا کہ دونوں میں سے کوئی ایک ہی صحیح ہو سکتا ہے محض کم علمی اور ان مسائل سے ناآشنائی ہے۔

اسی طرح اسماعیل دہلوی کی تکفیر اور کف لسان کا مسئلہ ہے۔ علامہ فضل حق

خیرآبادی نے اسماعیل دہلوی کی عبارت کا معنی متعین ہونے کے بعد اس کی تکفیر کی جب کہ حضرت فاضل بریلوی کے نزدیک اس کی عبارت کا معنی متعین نہیں ہوسکا۔ اس کی کیا وجوہات رہیں؟ دلائل کی روشنی میں زیر نظر کتاب میں تفصیل موجود ہے۔

دور حاضر میں بھی کچھ افراد اکابر علمائے دیوبند کی تکفیر کے فتوے پر تصدیق نہیں کرتے بلکہ کف لسان کے قائل ہیں، لیکن وہ حضرات اپنے موقف پر آج تک کوئی ایسی وجہ یا تاویل بیان نہیں کرسکے جس کی بنیاد پر ان کے کف لسان کا موقف درست ثابت ہورہا ہو، مگر طرفہ یہ کہ الٹے وہ لوگ یہ الزام اور دہائی دیتے نظر آتے ہیں کہ ہمیں کف لسان کا حق نہیں دیا جاتا۔ حالاں کہ بحث اس بات پر نہیں ہے کہ کسی کی تکفیر پر کف لسان کا حق ہے یا نہیں؟ بلکہ بحث یہ ہونی چاہیے کہ کسی کے کفر پر اطلاع شرعی و علم یقینی کے بعد فتوی تکفیر سے کف لسان کرنے کی وجہ کیا ہے؟ پھر یا تو وجہ بیان نہیں کی جاتی، یا ایسی وجہ بیان کی جاتی ہے جو کف لسان کے لیے کافی نہیں۔ اس طرح مسئلہ علم و تحقیق سے نکل کر ضد اور ہٹ دھرمی پر آجاتا ہے، جب کہ مسئلہ تکفیر میں جذبات و ذاتی رجحان سے کام نہیں چلتا، یہ خالص علمی و تحقیقی مسئلہ ہے۔

صاحب کتاب نے اس بات کو بھی دلائل کی روشنی میں واضح کیا ہے کہ شاہ اسماعیل کی تکفیر کس بنیاد پر کی گئی ہے اور کف لسان کس وجہ سے کیا گیا ہے۔ اب اگر کسی صاحب علم و تحقیق کو کچھ تردد ہو تو وہ علمی لب و لہجے میں افہام و تفہیم کرسکتا ہے۔

مسئلہ تکفیر پر گفتگو کرتے ہوئے بعض حضرات لزوم و التزام کی اصطلاحات کا خوب ذکر کرتے ہیں، احتمال قریب و بعید کی بات کرتے ہیں، مگر صرف یہ کہنے سے بات نہیں بنتی کہ فلاں شخص کے قول میں لزوم کفر ہے التزام نہیں، بلکہ اس دعوی کو دلیل سے

آراستہ بھی کرنا ضروری ہے۔

بعض حضرات نے یہ بھی سمجھ لیا ہے کہ ”زمانہ رسالت کے بعد کفر قطعی کی جو صورتیں ہیں، اس میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی شخص اپنا انتساب تو اسلام کی طرف کرے مگر واضح طور پر کسی ایسے امر کا انکار کرے جس کے ضروریات دین میں سے ہونے پر پوری امت کا اجماع واتفاق ہو اور اس کے انکار پر بھی آج امت کا اتفاق واجماع ہو“۔

ہم یہاں یہ عرض کریں گے کہ اس عبارت میں کفر قطعی کے لیے دو امر کا ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے: **ایک امر** تو یہ کہ واضح طور پر کسی ایسے امر کا انکار کرے جس کے ضروریات دین میں سے ہونے پر پوری امت کا اجماع واتفاق ہو۔ دوسرا امر یہ کہ اس منکر کے انکار پر بھی آج امت کا اتفاق واجماع ہو۔

اگر اس دوسرے امر کو صحیح مان لیا جائے تو ایسے شخص کا کیا حکم ہوگا جو تنہائی میں اللہ کے وجود کا انکار کرے؟ اس کا یہ انکار کفر قطعی ہوگا یا نہیں؟ یقیناً یہ کفر قطعی ہوگا؛ کیوں کہ یہ صراحتاً تکذیب رسول ﷺ اور خدائے تعالی کو جھٹلانا ہے، اگر یہ انکار بھی کفر قطعی نہیں تو اور کون سا انکار کفر قطعی ہوگا؟ حالاں کہ یہاں منکر کے انکار پر اجماع واتفاق ممکن ہی نہیں۔

مرزا قادیانی ہی کا مسئلہ دیکھیں، جیسے ہی مرزا نے خود کو نبی مانا اور اپنی نبوت کا اعلان کیا، کافر ہو گیا اور یہ کفر قطعی ہے۔ اس لیے جب اس کی تکفیر کی گئی تو یہ انتظار نہیں کیا گیا کہ امت مرزا قادیانی کے انکار پر اتفاق کرلے اور اجماع ہو جائے تب قادیانی کی تکفیر کی جائے۔ کسی کی تکفیر کے قطعی ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایک ہی وقت میں پوری امت اس پر اتفاق واجماع کرے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس بنیاد پر تکفیر کی گئی ہے

وہ اجماعاً قطعی ہونی چاہیے، لہٰذا جس عالم کے سامنے وہ وجہ ہوگی وہ اس سے اتفاق کرے گا۔اب مرزا قادیانی کی تکفیر کو دیکھیے، اس نے ایسے امر کا انکار کیا جو ضروریات دین میں سے ہے اور تمام امت کا اس کے ضروریات دین میں سے ہونے پر اتفاق واجماع ہے،اس لیے مرزا کی تکفیر قطعی اجماعی کہلائے گی، اگر چہ مرزا کو پوری دنیا مسلمان کہتی رہے خواہ مصر وشام وعراق وغیرہ کے علما کو اس کے انکار کی خبر بھی نہ ہو، چہ جائے کہ انکار پر اجماع واتفاق۔

اسی طرح بعض حضرات کا یہ کہنا کہ تکفیر فقہی کے فتوی میں بھی ''من شکّ فی کــفــرِہ کا استعمال ہوسکتا ہے، یہ بھی محض دعوی ہے جو ہنوز دلیل کا مطالبہ کررہا ہے۔ مصنف کتاب نے اس مسئلہ کو بھی بہت شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے،اور دلائل سے مزین کیا ہے۔

بعض حضرات نے یہ قاعدہ بھی بیان کیا کہ جب تک ''من شک'' کے ساتھ ''وعـذابـہ'' کی قید نہ ہوتو تکفیر فقہی ہوگی کلامی نہیں۔ یہ بھی ایک بچکانہ بات ہے،ایسا کوئی قاعدہ نہیں۔غور فرمایئے کہ اگر آج کوئی مفتی کسی ایسے شخص کی تکفیر کا فتوی دے جو خود کو نبی کہتا ہو اور اس فتوی میں سرے سے ''مـــن شک'' کی عبارت نہ لکھے تو بیان کردہ قاعدے کے اعتبار سے یہ تکفیر فقہی کہلائے گی کلامی نہیں۔ جب کہ یہ تکفیر قطعی اجماعی کلامی ہے،ایسا شخص عنداللہ وعندالمسلمین کافر و مرتد ہے۔

یہ ممکن ہے کہ کسی قول کے معنی کفری متبین ہوں جس میں تاویل بعید ہوسکتی ہو،مگر جب وہی معنی متبین، متعین ہو جایے تو مفتی پر لازم ہوگا کہ تکفیر کلامی کرے، فقہی نہیں۔لیکن اگر متعین نہ ہوتو مفتی صرف تکفیر فقہی کرے گا کلامی نہیں۔ یہ بحث بھی اس

کتاب میں دلائل کے ساتھ تفصیلی طور پر کی گئی ہے۔

اسی طرح بعض حضرات کو تکفیر فقہی وکلامی کی اصطلاح پر بھی اعتراض ہے اور بعض فضلائے عصر یہ سمجھ رہے ہیں کہ اگر کسی فقیہ نے تکفیر کی تو اس کو تکفیر فقہی کہا جائے گا اور اگر کسی متکلم نے کی تو کلامی۔اس قاعدے کی رعایت کی جائے تو پھر تکفیر، فقہا ومتکلمین ہی میں کیوں منحصر ہوگی؟ اگر کوئی لغوی تکفیر کرے تو تکفیر لغوی، اور کوئی محدث کرے تو تکفیر محدثی، اور کوئی منطقی کرے تو تکفیر منطقی، اور کوئی اصولی کرے تو تکفیر اصولی، اور کوئی مفسر کرے تو تکفیر مفسری وغیرہ وغیرہ ہو۔اسی لیے کہا جاتا ہے: لکل فن رجال۔

بہر حال یہ گفتگو ہی غلط ہے کہ اگر فقیہ تکفیر کرے تو تکفیر فقہی ہوگی اور اگر متکلم کرے تو تکفیر کلامی ہوگی۔ بلکہ اس کا مدار نبیادو وجوہات پر ہے۔اس فن پر گہری نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ تکفیر کو فقہی وکلامی کیوں کہا جاتا ہے؟ فقہا کے نزدیک کون سا احتمال نہ ہو تو حکم لگے گا اور متکلمین کے نزدیک کون سا احتمال ہو تو حکم نہیں لگے گا، اس پر بھی زیر نظر کتاب میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

رہا مسئلہ کف لسان کا! تو آج کل بہت آسانی سے بعض لوگ دعوی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ استاذ مطلق علامہ فضل حق خیرابادی کا فتوی تکفیر (جو تکفیر کلامی ہے) کے بعد اگر کسی کو کف لسان کا حق ہے تو ہمیں کیوں نہیں؟ اس کتاب میں اس پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، نیز مصنف کتاب کی دوسری تصانیف سے بھی تفصیلی طور پر اس کو سمجھا جاسکتا ہے۔

ہم یہاں صرف اتناذ کر کریں گے کہ حضرت فاضل بریلوی نے اسماعیل دہلوی

کو کافر کلامی کہنے سے کف لسان کیا ہے ،مگر کس انداز میں کیا ہے؟ یہ بھی دیکھتے چلیں،فرماتے ہیں:

''بالجملہ ماہ نیم ماہ ومہر نیم روز کی طرح ظاہر وزاہر کہ اس فرقہ متفرقہ یعنی وہابیہ اسماعیلیہ اوراس کے امام نافرجان پر جزمًا قطعًا یقینًا اجماعًا بوجوہ کفر لازم اور بلاشبہ جماہیر فقہائے کرام واصحاب فتوی اکابر واعلام کی تصریحات واضحہ پرسب کے سب مرتد کافر۔ باجماع ائمہ ان سب پر اپنے تمام کفریات ملعونہ سے بالتصریح توبہ ورجوع اوراز سرِ نو کلمہ اسلام پڑھنا فرض وواجب۔ اگرچہ ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اِکفار سے کف لسان ماخوذ ومختار ومرضی ومناسب۔ واللہ سبحانہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم'' (فتاوی رضویہ جدید جلد ۱۵ ص ۲۳۶-۲۳۵ مرکز برکات رضا پور بندر گجرات)

اسی صفحہ پر حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''پھر اگر چہ ہم براہ احتیاط تکفیر سے زبان روکیں،ان کے خسار وبوار کو یہ کیا کم ہے کہ جماہیر ائمہ کرام وفقہائے اسلام کے نزدیک ان پر بوجوہ کثیرہ کفر لازم۔''

سبحان السبوح میں فرماتے ہیں:

''پھر جب کہ ائمہ دین ان کے کفر میں مختلف ہوگئے تو یہ راہ ہے کہ اگر اپنا بھلا چاہیں جلد از سر نو کلمہ اسلام پڑھیں اوراپنے مذہب نامہذب کی تکذیب صریح اوراس کے ردو تقبیح کی صاف تصریح کریں۔ ورنہ بطور

عادت کلمہ شہادت کافی نہیں کہ یہ تو وہ اب بھی پڑھتے ہیں اور اسے اپنے مذہب کا رد نہیں سمجھتے ہیں۔'' (فتاوی رضویہ جدید جلد ۱۵ ص ۴۴۵، مرکز برکات رضا پور بندر گجرات)

ص ۴۴۶ پر لکھتے ہیں:

''اور جس طرح اس مذہب خبیث کا اعلان کیا ہے ویسے ہی توبہ ورجوع کا صاف اعلان کریں کہ توبہ نہاں کی نہاں ہے اور عیاں کی عیاں۔'' (ایضاً)

پھر اسی صفحہ پر ایک حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں:

''اس سب کے بعد اپنی عورتوں سے تجدید نکاح کریں کہ کفر خلافی کا حکم یہی ہے'' (ایضاً)

اسی صفحہ پر ہے:

''پس اگر مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ ہدایت فرمائے اور اس کے کرم سے کچھ دور نہیں یعنی یہ حضرات اپنے مذہب مردود سے باز آئیں اور اعلانیہ رب العلمیں کی طرف توبہ لائیں، فاخوانکم فی الدین (تمہارے دینی بھائی ہیں)۔

ورنہ اہل سنت پر لازم کہ ان سے الگ ہو جائیں، ان کی صحبت کو آگ سمجھیں، ان کے پیچھے نماز ہرگز نہ پڑھیں، اگر نادانستہ پڑھ لی ہو اعادہ کرلیں کہ نماز اعظم عبادت ربّ بے نیاز ہے اور تقدیم وامامت ایک اعلیٰ اعزاز اور فاسق مجاہر واجب التوہین نہ کہ بدعتی گمراہ فاسق فی

الدین۔'' (ایضاً)

''خاتمہ تحقیق حکم قائل'' کے تحت لکھتے ہیں:

''جانِ برادر! یہ پوچھتا ہے کہ ان کا یہ عقیدہ کیسا ہے؟ اور ان کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟ یہ پوچھ کہ امام و ماموم پر ایک جماعت ائمہ کے نزدیک کتنی وجہ سے کفر آتا ہے۔'' (ایضاً ص۱۳۰-۱۲۹)

دور حاضر کے وہ افراد جو اکابر علمائے دیوبند کی تکفیر سے کف لسان کو اپنا حق سمجھتے ہیں ان کو یہ واضح کرنا چاہیے کہ کیا وہ بھی اسی انداز سے کف لسان کرتے ہیں؟ یا کف لسان کی آڑ میں وہ اکابر علمائے دیوبند کے وکیل صفائی بن رہے ہیں۔ اگر وکیل صفائی بننا ہے تو کف لسان کا سہارا کیوں؟ پھر تو اس بات پر بحث ہونی چاہیے کہ اکابر علمائے دیوبند کے اقوال وعبارات اور تحریرات میں سرے سے معنی کفر ہے ہی نہیں یا اگر ہے تو اس کے ساتھ ساتھ اسلامی معنی کا احتمال قریب عن دلیل بھی ہے جیسا کہ قرء میں حیض اور طہر دونوں معنوں کا احتمال قریب عن دلیل ہے۔

زیر نظر کتاب میں کفر فقہی، کفر کلامی اور مسئلہ کف لسان ان تینوں امور کو ان کی ماہیت وحقیقت کے اعتبار سے بیان کر دیا گیا ہے۔ دلائل و براہین اور امثال دے کر سمجھا دیا گیا ہے کہ تکفیر کی کیا صورت ہوتی ہے اور کف لسان کی کیا، اب اس کے باوجود بھی اگر یہ کہا جاتا ہے کہ جس طرح حضرت فاضل بریلوی نے مولوی اسماعیل دہلوی کے متعلق کف لسان کیا ہے، اسی طرح اکابر علمائے دیوبند کے بارے میں کیوں نہیں کیا جاسکتا۔ تو اسے دیوبندیوں کی بے جا طرف داری کے سوائے کیا نام دیا جائے۔

جہاں بھی کفر کلامی کی صورت متحقق ہوگی وہاں تفصیل بیان کر کے اسی طرح

تکفیر کی جائے گی اور جہاں کف لسان کرنے کی صورت متحقق ہوگی وہاں دلائل بیان کر کے کف لسان ہی کیا جائے گا۔ اصولوں کی روشنی میں ہمارا یہ موقف مستحکم ہے۔اور خلاف کرنے والوں سے ہم یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ آخران مفصل شواہد کے بعد بھی وہ ہماری طرح تکفیر یا کف لسان کیوں نہیں کریں گے؟

ہاں بالفرض کسی کے پاس مذکورہ علمائے دیوبند کی عدم تکفیر سے متعلق دوسرے دلائل موجود ہوں تو انھیں دعوت دیتے ہیں کہ وہ بھی میدان میں آئیں اور واضح انداز میں دلائل کے ساتھ اپنا موقف بیان کر کے بری الذمہ ہو جائیں؛ کیوں کہ میدان فکرو نظر میں علمی اختلاف کا ہر ایک کو مکمل حق حاصل ہے، شرط یہ ہے کہ وہ اختلاف معیار تحقیق پر پورا اترے۔

اخیر میں اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ فقیہ النفس مدظلہ کی یہ تصنیف اپنے موضوع پر بڑی عالمانہ ومحققانہ ہے، مفتی صاحب نے اصول تکفیر کی روشنی میں زیر بحث مسئلے کے سبھی گوشوں پر بڑی دقت نظر سے گفتگو کی ہے، کسی بھی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ان شاء اللہ! مفتی صاحب کی یہ تصنیف اہل علم کے لیے چشم کشا ثابت ہوگی۔میں یہ نہیں کہتا مفتی صاحب کی باتوں سے اختلاف کا کسی کو حق نہیں ہے۔جن صاحب کو شوق ہو وہ سامنے آئیں اور دلائل کی روشنی میں سنجیدہ اور علمی لب و لہجے میں اختلاف کر کے اپنا شوق ضرور پورا کر لیں۔

عبدالغنی محمد عطیف قادری بدایونی

خادم سجادہ خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں

۷رمئی ۲۰۲۴ء بروز دوشنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ:

جس طرح حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی وغیرہ نے شاہ اسماعیل دہلوی کی تکفیر کی اور فرمایا:

قائل این کلام لاطائل از روئے شرع مبین بلاشبہہ کافر و بے دین است، ہرگز مومن و مسلمان نیست وحکم او شرعاً قتل و تکفیر است، وہرکہ در کفر او شک آرد یا تردد دارد یا این استخفاف را سہل انگارد کافر و بے دین ونامسلمان ولعین است (تحقیق الفتویٰ، ص: ۲۰)

ترجمہ: اس بے ہودہ کلام کا قائل از روئے شریعت بلاشبہہ کافر اور بے دین ہے، ہرگز مسلمان نہیں۔ شرعاً اس کا حکم قتل اور تکفیر ہے۔ جو شخص اس کے کفر میں شک وتردد لائے یا اس استخفاف کو معمولی جانے، کافر و بے دین اور نامسلمان ولعین ہے۔

مگر امام احمد رضا نے اُن کی موافقت نہیں کی اور فرمایا:

ہمارے نزدیک مقام احتیاط (شاہ اسماعیل دہلوی) میں اکفار سے کف لسان ماخوذ ومختار ومرضی ومناسب (الکوکبۃ الشہابیۃ)

بالجملہ اس (دیوبندی) طائفہ حائفہ خصوصاً ان کے پیشوا (شاہ اسماعیل) کا حال مثل یزید پلید علیہ ماعلیہ ہے کہ محتاطین نے اس کی تکفیر سے سکوت پسند کیا۔ (سل السیوف الہندیہ)

اسی طرح علمائے دیوبند مولانا قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھوی اور اشرف علی تھانوی کی تکفیر کی، اور فرمایا کہ:

''جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے''۔

تو اگر آج کوئی امام احمد رضا کی موافقت نہ کر کے علمائے دیوبند کی تکفیر نہ کرے بلکہ سکوت وتوقف کرے، تو اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ اگر اجازت نہیں ہے تو کیوں؟

(مفتی) محمد عمران رشیدی

ٹنگی دیگھی، رائے گنج، اتر دیناج پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب

اس کی وجہ جاننے کے لیے پہلے ذیل کے اصول جاننا اور سمجھ لینا ضروری ہے۔
جسے ہم نے اپنے مقالہ ''شاہ اسماعیل دہلوی اور علامہ فضل حق خیر آبادی وامام احمد رضا بریلوی'' میں بیان کیا ہے، وہیں سے اقتباس والتقاط کر کے یہاں سُپرد قرطاس ہو رہے ہیں۔

لفظ میں ایک سے زیادہ معنی کی صلاحیت ہو تو اس صلاحیت، یعنی 'ایک سے زیادہ معنی ہو سکنے'' کو احتمال اور اس لفظ کو محتمل کہتے ہیں۔ جیسے: لفظ 'زندہ' میں ایک سے زیادہ معنی کی صلاحیت ہے:

(الف) ذاتی طور پر زندہ۔

(ب) عطائی طور پر زندہ۔

یعنی لفظ 'زندہ' کے معنی، جس طرح ذاتی طور پر زندہ، یعنی خدائے تعالی پر صادق آتے ہیں۔ اسی طرح عطائی طور پر زندہ، یعنی بندوں پر بھی صادق آتے ہیں۔ تو لفظ 'زندہ' کے اندر ایک سے زیادہ معنی کی صلاحیت ہوئی اور یہ لفظ ایک سے زیادہ معنی کا محتمل ہوا۔

اور ایک سے زیادہ معنی کی صلاحیت نہ ہو تو وہ متعین المعنی اور مفسر ہوتا ہے۔

لفظ کے متعین المعنی ہونے کی چار صورتیں ہوتی ہیں:

(الف) لفظ ہی میں دوسرے معنی کی صلاحیت نہ ہو، جیسے ''دس'' کے معنی نو سے اوپر گیارہ سے نیچے کا عدد ہے، اس میں دوسرے معنی کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔

(ب) لفظ میں دوسرے معنی کی صلاحیت ہو مگر متکلم خود بتا دے کہ میری مراد یہ معنی ہے، جیسے: ہندوستان میں کوئی ہندوستانی آدمی، دوسرے ہندوستانی آدمی کے لیے اقرار کرے کہ: وہ مجھ سے ایک سو ''روپے'' پاتا ہے۔ تو اس میں احتمال ہے کہ سو روپے ''نیپال'' کے یا سو روپے ''بھوٹان'' کے مراد ہوں۔ لیکن اگر ''ہندوستان کے روپے'' کہہ دیا، تو اب ''نیپال کے روپے'' یا ''بھوٹان کے روپے'' ہونے کی صلاحیت نہیں رہی، ''ہندوستان کے روپے'' متعین ہو گئے۔

(ج) جس معنی کا احتمال تھا وہ، نہ بتا کر کچھ اور بتا رہا ہے جیسے: کوئی کہے کہ زید ''میرا بیٹا ہے'' تو اس میں احتمال ہے کہ بیٹے سے مراد ''پیارا'' ہو، لیکن وہ بتائے کہ بیٹے سے میری مراد ''ساڑھو'' ہے تو متعین ہو جائے گا کہ جو معنی متبادر یا ظاہر ہے، وہی مراد ہے۔

امام غزالی کی التفرقه بين الاسلام و الزندقه ص ۱۱ میں ہے:

ولا بد من التنبيه على قاعدة اخرى و هذا ان المخاطب قد يخالف نصا متواترا بزعم انه مؤل ولكن ذكر تاويلا لا انقداح اصلا في اللسان لا على قرب و ولا على بعد فذلك كفر و صاحبه مكذب و ان كان يزعم

انه مؤل ۔

(ترجمہ) ایک اور قاعدہ سے آگاہی ضروری ہے۔ وہ قاعدہ یہ ہے کہ مخاطب کبھی منصوص متواتر کی مخالفت کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ ''مؤوّل'' ہے لیکن ایسی تاویل بیان کرتا ہے جسے زبان وادب سے کوئی علاقہ ہی نہیں۔ نہ تو علاقہ قریب اور نہ ہی علاقۂ بعید، یہ کفر ہے اور ایسا کرنے والا کافر ہے۔ اگرچہ اپنے آپ کو مؤوِّل سمجھ رہا ہو۔

(د) پوچھے جانے پر سکوت اختیار کر لیتا ہے، تو بھی مان لیا جائے گا کہ اس کی مراد معنی متبادر ظاہر ونص ہی ہے۔

ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر ص ۱۰۴ میں ہے:

لو لم یصدق لوجوب الصلوۃ و حرمة الخمر عند السوال کان کافرا۔

ترجمہ: پوچھے جانے پر نماز کی فرضیت اور شراب کی حرمت کی تصدیق نہ کرے تو کافر ہوگا۔

پھر صلاحیت کبھی قوت وضعف میں برابر ہوتی ہے اور کبھی کم وبیش۔ جب برابر ہو، تو لفظ کو محتمل متساوی المعنی کہتے ہیں۔ جیسے: لفظ 'زندہ' کا استعمال دونوں معنوں میں برابر ہے، تو لفظ 'زندہ' محتمل متساوی المعنی ہوا۔

اور کم وبیش ہو، تو جس معنی کی صلاحیت کم ہو، اس معنی کے لیے وہ لفظ محتمل مرجوح

المعنی، اور جس معنی کی صلاحیت زیادہ ہو، اس معنی کے لیے وہ لفظ محتمل راجح المعنی ہے، جیسے: فارسی زبان میں خدا کی نسبت سے لفظ 'پیش' مستعمل ہو، تو لفظ 'پیش' محتمل مرجوح المعنی میں مستعمل کہلائے گا، اور بندوں کی نسبت سے مستعمل ہو، تو محتمل راجح المعنی میں استعمال ہوگا۔

پھر رجحان کے ساتھ تبادر بھی ہو، تو اگر معنی مرجوح و غیر متبادر میں مستعمل ہو، تو موہم کہلاتا ہے۔ جیسے: 'میں مومن ہوں ان شاء اللہ' کہنا۔

اور لفظ محتمل کا کوئی معنی متبین ہو تو اس معنی کے لیے وہ ظاہر، کہلاتا ہے۔ اور متبین کے ساتھ اسی مقصد کے لیے سوق کلام بھی ہو تو نص۔

احتمال جس طرح عن دلیل ہوتا ہے۔ اسی طرح بلا دلیل بھی۔ اور کبھی تو خلاف دلیل پر بھی اس کا اطلاق کر دیا جاتا ہے، مگر وہ حقیقتاً احتمال نہیں ہوتا ہے۔

احتمال عن دلیل کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے معنی کی صلاحیّت پر بھی کوئی دلیل موجود ہو جیسے: ثلثة قروء میں احناف قروء سے 'حیض' مراد لیتے ہیں، مگر 'طہر' مراد ہونے کی بھی صلاحیت ہے اور اس صلاحیت پر دلیل بھی موجود ہے جس کی بنا پر امام شافعی اس کے قائل ہیں، جیسا کہ اصول فقہ اور فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے ــــ احتمال عن دلیل کو احتمال قریب بھی کہتے ہیں۔

احتمال بلا دلیل کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے پہلو کی صلاحیت پر کوئی دلیل موجود نہ ہو، جیسے: کوئی اپنی بیوی سے کہے کہ میں نے تمہیں 'طلاق دی' تو اگرچہ ظاہر کے

اعتبار سے طلاق عن النکاح ہی سمجھا جائے گا، مگر اس میں طلاق عن الوثاق کی بھی صلاحیت ہے۔ ہاں! اس پر کوئی دلیل موجود نہیں ـــــــــ احتمال بلا دلیل کو احتمال بعید بھی کہتے ہیں۔

احتمال خلاف دلیل کا مطلب یہ ہے کہ دوسرا پہلو نہ ہونے پر دلیل موجود ہو، پھر بھی زبردستی دوسرے پہلو کی بات کی جارہی ہو، جیسے آیت کریمہ: ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین (محمد اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں) میں 'خاتم النبیین' کے معنی 'آخری نبی' ہی ہیں۔ دوسرے معنی مراد نہ ہونے پر احادیث متواترہ اور اجماع امت قائم ہے۔ پھر بھی زبردستی یہ کہنا کہ ہوسکتا ہے اس کے معنی 'بالذات نبی' ہوں ـــــــــ احتمال خلاف دلیل کو احتمال متعذّر بھی کہتے ہیں۔

جس امر میں دوسرے پہلو کی صلاحیت پر احتمال عن دلیل یعنی احتمال قریب ہو، وہ ظنی ہوتا ہے۔ جیسے قروء کے معنی حیض ہونا ظنی ہے۔

فتاویٰ رضویہ ج ا ص ٦ کے حاشیہ میں ہے:

اما الناشی عن دلیل فیجعله ظنا۔

ترجمہ: جس اذعان میں دوسرے معنی کا احتمال ناشی عن دلیل ہو وہ ظنی ہوگا۔

اور جس امر میں دوسرے پہلو کی صلاحیت پر احتمال بلا دلیل یعنی احتمال بعید ہو، وہ یقینی بالمعنی الاعم ہوتا ہے یعنی فقہائے کرام اسے یقینی کہتے ہیں جیسے: میں نے تم کو طلاق

'دی میں 'طلاق' کے معنی، طلاق عن النکاح ہونا، یقینی بالمعنی الاعم ہے۔ اوراسی کووہ صریح کہتے ہیں۔

فتاویٰ رضویہ ج ا ص ٦ کے حاشیہ میں ہے:

و ان احتمل احتمالا نا شیا لا عن دلیل کا مکان ان یکون الذی نراہ زیدا جنیا تشکل بشکلہ فبا لمعنی الاعم و مثل ھذا الاحتمال لانظر الیہ اصلا و لا ینزل العلم عن درجۃ الیقین۔

ترجمہ: خلاف کا احتمال بلا دلیل ہو، جیسے: یہ امکان کہ جس شخص کو ہم زید کی شکل میں دیکھ رہے ہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ دراصل زید نہ ہو، بلکہ جن ہو، جو زید کی شکل میں متشکل ہو کر آ گیا ہو، تو یہ اعتقاد یقین بالمعنی الاعم کہلاتا ہے۔

ایسے احتمال کا لحاظ نہیں ہوتا ہے، اور وہ یقین بالمعنی الاعم کا منافی نہیں۔

توضیح ص ۲۴۷ میں ہے:

اعلم انّ العلما یستعملون العلم القطعی فی معنیین ... والثانی ما یقطع الاحتمال الناشی عن الدلیل کالظاھر والنص والخبر المشھور۔

ترجمہ: اہل علم کے نزدیک علم قطعی کا اطلاق دو معنوں میں ہوتا ہے...

(۲) جس میں اس کے خلاف کا احتمال عن دلیل نہ ہو جیسے ظاہر و نص اور خبر مشہور۔

نور الانوار میں ہے

حکم النص وجوب العمل بالمعنی الذی وضح منہ مع احتمال تاویل فی معنی المجاز وھٰذاالتاویل قدیکون فی ضمن التخصیص بان یکون عاما یحتمل التخصیص وقدیکون فی ضمن غیرہ بان یکون حقیقۃ تحتمل المجاز...ولمااحتمل ھٰذاالاحتمال النص کان الظاھر الذی ھو دونہ اولیٰ بان یحتملہ. ولکن مثل ھٰذہ الاحتمالات لاتضر بالقطعیۃ۔

ترجمہ: نص کا حکم یہ ہے کہ اس کے معنیٰ واضح کے مطابق عمل لازم ہوگا، البتہ تاویل کا احتمال رہے گا۔ اب اگر لفظ ایسا عام ہے جو احتمال تخصیص رکھتا ہے تو تاویل، تخصیص کے ضمن میں ہوگی، اور لفظ حقیقت ہے تو تاویل، مجاز کے ضمن میں ہوگی۔ پھر جب نص میں احتمال بلا دلیل رہتا ہے تو ظاہر میں بدرجۂ اولیٰ رہے گا، مگر یہ احتمال ظاہر و نص کے قطعی ہونے کا منافی نہیں۔

اور جس امر میں دوسرے پہلو کی صلاحیت ہی نہ ہو، وہ یقینی بالمعنی الاخص ہوتا ہے۔ متکلمین عظام بھی اسے یقینی کہتے ہیں، جیسے 'خاتم النبیین' کے معنی 'آخری نبی' ہونا یقینی بالمعنی الاخص ہے۔اسی کو وہ حضرات صریح مانتے ہیں۔

فتاویٰ رضویہ ج۱ص۶ کے حاشیہ میں ہے:

اذا اذعنا بشئی فان لم یحتمل خلافه اصلاً کوحدانیة اللہ تعالیٰ وحقانیة محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فیقین بالمعنی الاخص۔

ترجمہ: کسی چیز کا ایسا اعتقاد ہو کہ اس کے خلاف کا احتمال بالکل نہ ہو ، جیسے: اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقانیت کا اعتقاد، تو یہ اعتقاد یقین بالمعنی الاخص کہلاتا ہے۔

فواتح الرحموت ج۲ص۳۷۷ میں ہے:

والمراد بالقطع المعنی الاخص وھو مالا یحتمل النقیض ولو احتمالا بعیدا ولو غیر ناش عن الدلیل۔

[یقین بالمعنی الاخص وہ ہے جس میں معنیٰ خلاف کا احتمال بعید یعنی بلا دلیل بھی نہ ہو۔]

اسی کے ص۱۹ میں ہے:

عدم احتمال الانصراف ولو مرجوحاً وھو الیقین

بالمعنی الاخص وھو المراد فی الاعتقادیات۔

ترجمہ: خلاف کا احتمال مرجوح بھی نہ ہو تو یقین بالمعنی الاخص ہے

اور اعتقادیات میں یہی یقین درکار ہے۔

پھر احتمال کبھی کلام، یعنی بولی میں ہوتا ہے — کبھی تکلّم یعنی بولنے میں ہوتا ہے

— اور — کبھی متکلّم یعنی بولنے والے میں ہوتا ہے۔ تو محل کے اعتبار سے اس کے

تحقّق کی تین صورتیں ہوئیں:

(۱) کلام میں احتمال (۲) تکلّم میں احتمال (۳) متکلّم میں احتمال۔

☆ کلام میں احتمال کا مطلب یہ ہے کہ اثبات و دلالت یعنی معنی میں احتمال ہو جیسے

لفظ قروء میں حیض۔ یا۔ طہر کا احتمال۔

☆ تکلّم میں احتمال کا مطلب یہ ہے کہ اسناد و ثبوت میں احتمال ہو جیسے یہ احتمال کہ

ممکن ہے روایت کرنے میں راوی کی طرف سے کوئی لفظ کم یا زیادہ ہو گیا ہو۔ جیسے

اخبار آحاد میں احتمال۔

☆ متکلّم میں احتمال کا مطلب یہ ہے کہ متکلّم کے حالات و کیفیّات میں احتمال ہو

جیسے یہ احتمال کہ ممکن ہے متکلم نے اپنی بات سے رجوع کر لیا ہو۔

جو الفاظ کفری معنی کے لیے ظاہر یا نص ہوں فقہائے کرام کے نزدیک ان

کا استعمال کفر یقینی ہے؛ کیونکہ فقہائے کرام کے نزدیک، یعنی فقہیات میں یقین بالمعنی

الاعم بھی کافی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ فقہا احتمال بلا دلیل کا اعتبار

نہیں کرتے ہیں۔

فواتح الرحموت میں ۲۳۸ ہے:

المعنی الاعم وھوالذی لایحتمل المقابل احتمالا ناشیا عن دلیل وبعدالتبادر فاحتمال عدم الارادة کاحتمال التاویل فی النص فلااعتدادبه۔

ترجمہ: یقین بالمعنی الاعم کا مطلب یہ ہے کہ اس میں برخلاف معنی کا احتمال عن دلیل نہ ہوتو معنی ظاہر مرادنہ ہونے کا احتمال قابل قبول نہیں۔

مگر متکلمین توقف کرتے ہیں کیونکہ متکلمین کے نزدیک ،یعنی اعتقادیات میں یقین بالمعنی الاخص کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہاجائے کہ متکلمین تکفیر سے احتراز کے لیے احتمال بعید و بلادلیل کا بھی اعتبار کر لیتے ہیں۔

مسامرہ ص ۳۲ میں ابن دقیق العید کے حوالے سے ہے:

یقبل التاویل اذاکان المعنی الذی اول به قریبامفهوما من تخاطب العرب ویتوقف فیه اذاکان بعیدا۔

ترجمہ: تاویل کردہ معنی زبان وادب کے محاورہ سے قریب ہوتو تاویل مقبول ہوگی ، بعید ہوتو توقف کیا جائے گا۔

فتاوی حدیثیه ص ۲۰۱ میں ہے:

لایکفی فی الکفر بالانکار ان یقول لہ شخص او اشخاص لم یبلغوا عدد التواتر ھذا واجب او حلال او حرام بل لابد ان یتواتر عندہ ذالک۔

ترجمہ: ایک شخص یا عدد تواتر سے کم چند اشخاص ہی کسی کو یہ بتائیں کہ یہ چیز فرض یا حلال یا حرام ہے اور وہ نہ مانے تو کافر نہیں ہوگا؛ کیوں کہ کفر کے لیے بطور تواتر ثبوت ضروری ہے۔

حاشیہ نشاط السکین، ص: ۱۳۷ میں ہے:

شرک امر عظیم ہے کسی کلمہ گو کی طرف اس کی نسبت کرنے کو یقین قطعی درکار...اور حصول یقین کے دو ہی طریقے۔ یا تو کسی کی زبان سے خود اس کا اقرار سنیں... یا بذریعہ تواتر قطعی، نہ افواہِ بازاری، اس کا علم آیا ہو۔

ردالمحتار ج ۶ ص ۲۷۱ مطبوعہ دیو بند میں ہے:

فی الفتاوی الصغری: الکفر شئ عظیم فلااجعل المؤ من کافرا متی وجدت روایۃ انہ لایکفر۔ اھ

ترجمہ: فتاویٰ صغریٰ میں ہے کہ کفر بہت بھاری چیز ہے اس لیے مسلمان کو کفر سے بچانے والی کوئی بھی روایت مل جاتی ہے تو میں تکفیر نہیں کرتا ہوں۔

بحر الرائق ج۵ص۲۱۰مطبوعہ دیوبند میں تاتارخانیہ کے حوالہ سے ہے:

قوله بالمحتمل لان الكفر نهاية فى العقوبة فيستدعى نهايةفى الجناية ومع الاحتمال لانهاية .اھ

ترجمہ:احتمال کی صورت میں تکفیر نہیں ہوسکتی کیونکہ تکفیر انتہا درجہ کی سزا ہے جو انتہا درجہ کے جرم ہی پر دی جاسکتی ہے، اوراحتمال کی موجودگی میں جرم کوانتہا درجہ کا نہیں کہا جاسکتا۔

خلاصہ وغیرہ کے حوالہ سے ہے:

اذاكان فى المسئلةوجوه توجب التكفير ووجه واحد يمنع التكفير فعلىٰ المفتى ان يميل الى الوجه 'الذى يمنع التكفير تحسينا للظن با لمسلم۔

ترجمہ:کسی مسلمان کے کلام میں متعدد پہلوموجب تکفیر ہوں اور ایک پہلومانع تکفیر ہو،تو مفتی پرلازم ہے کہ مسلمان سے حسن ظن رکھتے ہوئے جس پہلو پر تکفیر نہ ہوتی ہو،اسی پہلوکواختیار کرے۔

خودصاحب بحرفرماتے ہیں:

والذى تحرر انه لايفتى بكفرمسلم امكن حمل كلامه على محمل حسن او كان فى كفره اختلاف ولوروايةضعيفةفعلى هٰذافاكثرالفاظ التكفيرالمذكورة لايفتى

بالتکفیر بھاولقدالزمت نفسی ان لاافتی بشئ منھا۔

ترجمہ: یہ بات طے شدہ ہے کہ کسی مسلمان کے کلام کا صحیح معنی بن سکتا ہوخواہ ضعیف روایت ہی کی بنیاد پراس کے کفری ہونے میں اختلاف ہوتو کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ اسی بات کے پیش نظر کتب فقہ میں مذکور الفاظ کفریہ کی بنا پر تکفیر نہیں کی جائے گی۔ میں نے اپنے آپ پرلازم کرلیا ہے کہ اس طرح کے الفاظ پر تکفیر نہ کروں۔

علامہ شامی نے ردالحتار ج۶ ص۲۷۹ میں فرمایا ہے:

قولہ(ولوروایة ضعیفة)قال الخیرالرملی: اقول ولوکانت الروایة لغیراھل مذھبنا،ویدل علیٰ ذٰلک اشتراط کون مایوجب الکفر مجمعاً علیه اھ۔

ترجمہ: حضرت خیرالدین رملی نے فرمایا ہے کہ دوسرے مذہب کے حضرات کی بھی ضعیف روایت کی بنیاد پر تکفیر سے بچا جا سکتا ہوتو بھی تکفیر نہیں ہوگی؛ کیونکہ تکفیر کے لیے موجب کفر کا اجماعی ہونا شرط ہے۔

تقریرات رافعی میں ہے:

وقدصرح الحموی بانھاولو کانت لغیرمذھبنا وجب

علی المفتی المیل الیھا وتبعہ ابو السعود والخیر الرملی الخ۔

ترجمہ: علامہ حموی نے صراحت فرمائی ہے کہ تکفیر سے بچانے والی ضعیف روایت دوسرے مذہب کے حضرات کی ہو تو بھی مفتی پر واجب ہے کہ اس روایت کی بنا پر تکفیر سے اجتناب کرے۔ علامہ ابو سعود اور خیر الدین رملی نے اس بارے میں علامہ حموی کا ساتھ دیا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ سبحٰن السبوح ،ص ۱۰۰ فرماتے ہیں:

ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اہل لا الٰہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے جب تک وہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن وجلی نہ ہو جائے اور حکم اسلام کے لیے اصلاً کوئی ضعیف محمل بھی نہ رہے،

فان الاسلام یعلو و لا یعلیٰ.

فتاویٰ رضویہ مترجم ج ۹ ص ۱۴۱ میں فرماتے ہیں:

کسی قول یا فعل کا موجب کفر ہونا تو خود افعال مکلفین ہی سے بحث ہے، اس کے بیان کو کتب فقہ میں ''باب الردۃ'' مذکور اور صدہا اقوال وافعال پر انہی مشائخ کے بے شمار فتوائے کفر مسطور، مگر محققین محتاط، تارکین تفریط وافراط، بآنکہ سچے دل سے حنفی مقلد اور ان مشائخ

کرام کے خادم و معتقد ہیں، زینہار ان پر فتوی نہیں دیتے اور حتی الامکان تکفیر سے احتراز رکھتے، بلکہ صاف فرماتے ہیں کہ اگر کوئی روایت ضعیفہ اگرچہ دوسرے ہی مذہب کی دربارۂ اسلام مل جائے گی اسی پر عمل کریں گے اور جب تک تکفیر پر اجماع نہ ہولے کافر نہ کہیں گے الخ۔

ان اصولوں کے بعد اگلے صفحات ملاحظہ کریں:

مولانا محمد قاسم نانوتوی کا کفر

(ا) مولانا محمد قاسم نانوتوی معروف بہ بانی دارالعلوم دیوبند نے اپنی کتاب ''تحذیر الناس'' کی بعض عبارتوں میں صریح و مفسّر یعنی متعین طور پر حضور نبی کریم ﷺ کا خاتم النبیین بمعنی ''آخری نبی'' ہونے کا انکار کیا ہے۔ جس میں انکار نہ ہونے کا احتمال بعید بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ علمائے اہل سنت نے اس موضوع پر اپنی کتابوں میں اور خاص طور پر حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ''الموت الاحمر'' میں واضح طور پر ثابت فرمادیا ہے۔ اور اس فقیر نے ''فیصلہ کن مناظرہ کا تحقیقی جائزہ'' پھر ''علمائے دیوبند کی تکفیر کیوں؟'' میں دلائل قاہرہ سے اسے واضح تر کردیا ہے۔ ہم یہاں اسی سے اس بحث کو کچھ حک و اضافہ کے ساتھ نقل کر دے رہے ہیں:

ایک صاحب نے تفسیر در منثور میں منقول حضرت ابن عباس کے قول:

''ان اللہ خلق سبع ارضین. فی کل ارض آدم کآدمکم ونوح کنوحکم وابراھیم کابراھیمکم وعیسیٰ کعیساکم ونبی کنبیکم''

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے سات زمینیں پیدا کیں، ہر زمین میں ایک آدم ہے تمہارے آدم کی طرح، ایک نوح ہے تمہارے نوح کی طرح، ایک ابراہیم ہے تمہارے ابراہیم کی طرح، ایک عیسیٰ ہے

تمہارے عیسیٰ کی طرح اور ایک نبی ہے تمہارے نبی کی طرح''

اس کو معنوی اعتبار سے صحیح و معتبر قرار دے کر اپنا عقیدہ یہ بتایا تھا کہ:

''زمین کی تمام طبقات میں انبیائے کرام، اسی طرح ان انبیا میں خاتم النبیین بھی ہوئے ہیں۔ ہاں! ہمارے خاتم النبیین ان تمام خواتم سے افضل ہیں'' ملخصاً (تحذیر الناس ص ۲ مطبوعہ کتب خانہ اعزازیہ دیوبند)

یہ عقیدہ چونکہ بظاہر قرآن کریم کی آیت: ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین اور اس کی تفسیری حدیثوں مثلاً لانبی بعدی وغیرہ، اور اجماع امت کے خلاف معلوم ہوا، تو کسی نے بانی دار العلوم دیوبند مولانا قاسم نانوتوی سے یہ استفتا کیا کہ:

''زید اپنے اس عقیدہ کی وجہ سے کافر یا فاسق یا خارج از اہل سنت جماعت ہوگا یا نہیں؟ (ایضاً ص ۲)''

اس استفتا کے جواب میں مولانا قاسم نانوتوی نے ''تحذیر الناس'' نام کی یہ کتاب لکھی، جس میں تحریر کیا کہ آیت کریمہ کے معنی ''آخری نبی'' ہوں تو ابن عباس کا یہ قول اس کے خلاف ہوگا، مگر اہل فہم (سمجھ دار لوگوں) کے نزدیک اس ایت کے معنی آخری نبی نہیں، بلکہ ''بالذات نبی'' ہیں۔ تو ابن عباس کا یہ قول آیت: خاتم النبیین کے خلاف نہیں رہا۔ لہذا زید استفتا میں مذکور عقیدہ رکھتا ہے تو کوئی حرج نہیں، بلکہ اس

زمین میں بھی کوئی نبی حضور ﷺ کا ہم زمانہ ہو، بلکہ آپ کے بعد بھی کوئی نبی پیدا ہوتو فرق نہیں پڑے گا، آیت کریمہ: خاتم النبیین کے معنی ''نبی بالذات'' برقرار رہیں گے۔

لکھتے ہیں:

''قبل عرض جواب یہ گزارش ہے کہ اول معنیٰ خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں، تا کہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح میں ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟

ہاں! اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہئے اور اس مقام کو مقام مدح قرار نہ دیجئے تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی صحیح ہوسکتی ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اہل اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارہ نہ ہوگی کہ اس میں:

ایک تو خدا کی جانب یا وہ (فضول، بکواس) گوئی کا وہم ہے، آخر اس وصف میں اور قد وقامت وشکل ورنگ وسکونت وغیرہ اوصاف میں جن

کو نبوت یا اور فضائل میں کچھ دخل نہیں، کیا فرق ہے؟ جو اس کو ذکر کیا اوروں کو ذکر نہ کیا۔

دوسرے رسول ﷺ کی جانب نقصان قدر کا احتمال؛ کیونکہ اہل کمال کے کمالات ذکر کیا کرتے ہیں اور ایسے ویسے لوگوں کے اس قسم کے احوال بیان کیا کرتے ہیں۔ اعتبار نہ ہوتو تاریخوں کو دیکھ لیجئے۔ باقی یہ احتمال کہ یہ دین آخری دین تھا اس لئے سد باب مدعیان نبوت کیا ہے، جو کل کو جھوٹے دعوے کر کے خلائق کو گمراہ کریں گے البتہ فی حد ذاتہ قابل لحاظ ہے پر جملہ ما کان محمد ابا احد من رجالکم اور جملہ ولکن رسول الله وخاتم النبیین میں کیا تناسب تھا جو ایک کو دوسرے پر عطف کیا اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو استدراک قرار دیا۔ اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی بے ربطی، بے ارتباطی خدا کے کلام معجز نظام میں متصور نہیں۔ اگر سد باب منظور ہی تھا تو اس کے لیے اور بیسیوں مواقع تھے۔

(الیضا ص ۳۔۴)''

یعنی: (۱) اہل فہم (سمجھ دار لوگوں) کے برخلاف عوام (ناسمجھ لوگ) خاتم النبیین کے معنی آخری نبی مانتے ہیں۔

(۲) اہل فہم (سمجھ دار لوگوں) کے نزدیک اس کے معنی ''آخری نبی'' قرار دینے

میں فضیلت نہیں ہے؛ کیوں کہ اس کے معنی آخری نبی ماننے میں:

(الف) یہ وصف (خاتم النبیین) وصف مدح نہیں ہوگا، اور یہ آیت (ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین) مقام مدح میں نہیں ہوگی۔

اور یہ وصف (خاتم النبیین) وصف مدح اور یہ آیت (ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین) مقام مدح میں نہ ہو تو کئی خرابیاں لازم آئیں گی، جیسے:

(الف) خدا کی جانب یاوہ گوئی (فضول بکنے) کا وہم ہوگا۔

(ب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نقصانِ قدر کا احتمال ہوگا۔

(ج) جملہ ما کان محمد ابا احد من رجالکم اور جملہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں تناسب نہیں رہے گا۔

(د) اس لئے پہلے جملے کو معطوف علیہ، دوسرے کو معطوف قرار دینا، صحیح نہیں ہوگا۔

(ہ) اسی طرح پہلے جملے کو مستدرک منہ اور دوسرے جملے کو مستدرک بنانا، صحیح نہ ہوگا۔

(۳) سد باب مدعیان نبوت کے لیے یہ موقع نہیں، دوسرے بیسوں مواقع تھے۔

حالاں کہ نانوتوی صاحب کے اس طرح کے وہموں کا نہایت شافی ووافی جواب مفسرین نے اپنی تفسیروں میں دے دیا ہے۔

چنانچہ امام رازی نے تفسیر "مفاتیح الغیب" ج:۲۵، مکتبہ دارالفکر، میں فرمایا ہے:

لما نفی کونہ ابا عقبہ بمایدل علی ثبوت ماھو فی حکم

الابـوـة مـن بـعـض الـوجـوه ،فقال:’[ولٰكِن رَسولُ الله“فان رسول الله كالأب للامة فى الشفقة من جانبه،وفى التعظيم مـن طـرفهـم بـل اقـوىٰ ،فـان ”الـنـبـى اولـى بالمؤمنين من انـفسهـم“ والاب لـيـس كـذٰلـک ،ثـم بيـن مـايفيد زيادة الشـفـقة مـن جـانبـه والتـعـظيم من جهتهم بقوله:”وخاتم الـنبيين“ وذٰلک لأن النبى الذى يكون بعده نبى ان ترک شيـئاً من النصيحة والبيان يستدركه من يأتى بعده، وامامن لانبـى بـعـده يـكـون أشفق على أمته وأهدى لهم وأجدى، اذهو كوالده الذى ليس له غيره من أحد •

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مردوں کے باپ ہونے کی نفی فرمادی، تو ”مگر اللہ کے رسول ہیں“ فرما کر تسلّی دی اور تعلیم فرمایا کہ وہ تو امت کے حق میں ازروئے شفقت و تعظیم باپ سے بھی بڑھ کر ہیں؛ کیوں کہ وہ تو مسلمانوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔اس لیے اُن کی شفقت باپ کی شفقت سے بڑھ کر ہوگی اور وہ باپ کی تعظیم سے بڑھ کر تعظیم کے حق دار ہوں گے ــــــ اس کے بعد ”اور آخری نبی ہیں“ فرما کر اُمت پر نبی کی شفقت در شفقت کی خبر دی اور نبی کے حق میں تعظیم در تعظیم کو امت پر واجب قرار دیا؛

کیوں کہ جس نبی کے بعد کوئی اور نبی ہو، اگر اس کی ہدایت ونصیحت کا کچھ حصہ باقی رہ جائے، تو بعد میں آنے والے نبی کے ذریعہ اس کی تلافی ہوسکتی ہے۔لیکن وہ نبی، جن کے بعد کوئی اور نبی نہ آئے، ان کا، امت پر تمام نبیوں سے بڑھ کر شفیق ومہربان ہونا ضروری ہے؛ اس لیے کہ وہ امت کے لیے ایسے باپ کی طرح ہوں گے، جس کی اولاد کا، اس کے سوا کوئی اور ہو ہی نہیں۔

یہ دوسری صدی ہجری کے عظیم صوفی محدث حکیم ترمذی کی کرامت ہی کہی جائے گی جنہوں نے اپنی مستقبل بیں نظروں سے تقریباً بارہ سو سال پہلے ہی نانوتوی صاحب کی ''تحذیرالناس'' کی عبارتیں پڑھ لی تھیں، اوران کا جواب اپنی کتاب ''ختم الاولیاء'' مطبوعہ ''المطبعۃ الکاثولیکیۃ'' [بیروت] ص:۳۴۱و۳۴۲ میں عطا فرمادیا تھا ،لکھا ہے:

وخص محمداً صلى الله عليه وسلم ،بمالم يؤت احداً من العالمين .فمن الخصوصية مايعمى عن الخلق، الاعلى اهل خاصته ، ومنهامالیس لاحد عنه محیص ولامحید.(الى ان قال) فبهٰذاسادالانبياء عليهم السلام .ثم خص بمالايدفع :وهوخاتم النبوة ،وهوحجة الله عزوجل على خلقه يوم الموقف .فلم ينل هٰذااحد من

الانبياء .

قال له قائل: وماخاتم النبوة؟ قال: حجة الله على خلقه بحقيقة قوله تعالى: "وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ "فشهد الله له بصدق العبودية .

فاذابرز الديان فى جلاله وعظمته فى ذٰلک الموقف ، وقال :ياعبيدى !انما خلقتم للعبودية ،فهاتوا العبودة.فلم يبق لاحد حس ولاحركة من هول ذٰلک المقام ، الامحمداً صلى الله عليه وسلم . فبذٰلک القدم (الصدق) الذى له،يتقدم على جميع صفوف الانبياء والمرسلين ؛ لانه قد اتى بصدق العبودية لله تعالى .فيقبله الله منه ، ويبعث الى المقام المحمود عندالكرسى . فيكشف الغطاء عن ذٰلک الختم ،فيحيطه النور وشاع ذٰلک الختم يبين عليه .وينبع من قلبه على لسانه من الثناء مالم يسمع به احد من خلقه حتى يعلم الانبياء كلهم ان محمداً صلى الله عليه وسلم كان اعلمهم بالله عزوجل .فهواول خطيب واول شفيع . فيعطى لواء الحمد ومفاتيح الكرم .

فلواء الحمد لعامة المؤمنين ومفاتيح الكرم للانبياء .
ولخاتم النبوة بدء وشأن عميق اعمق من ان تحتمله . فقد رجوت انه كفاك هٰذا القدر من علمه .

فصار محمد صلى الله عليه وسلم شفيعاً للانبياء والاولياء ،ومن دونهم .الا ترى الى قوله عليه الصلاة والسلام فيما يصف من شأن المقام المحمود: حتى ان ابراهيم خليل الرحمٰن يحتاج اليّ فی ذٰلک اليوم .(الى ان قال:)الاترى ان الله تبارک وتعالى ذكر البشرى فی غير آية ،فلم يذكرها الامع الشرط :""" وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَات " وذكر ههنا ولم يشترط :"وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ "يعلمهم ان نجاة الجميع فی ذٰلک اليوم بهٰذا القدم الصدق •

واماالحجة :فكانه يقول للانبياء عليهم السلام : معاشر الانبياء !هٰذامحمد. جاء فی آخر الزمان ،ضعيف البدن ،ضعيف القوة ،ضعيف المعاش ،قليل العمر ،اتى بما قد ترون :من صدق العبودة ،وغزارة المعرفة والعلم

.وانتم فی قواکم واعمارکم وأبدانکم لم تأتوابما اتی
.ویکشف الغطاعن الختم .فینقطع الکلام وتصیرالحجة
علی جمیع خلقه ؛لان الشیء المختوم محروس.
قال : .فجمع الله تعالی اجزاء النبوة لمحمد صلی الله
علیه وسلم ،وتممهاله ،وختم علیهابختمه فلم تجد نفسه
ولاعدوه سبیلا الی ولوج موضع النبوة ،من اجل ذٰلک
الختم.
الاتری الی حدیث الحسن البصری رحمه عن انس بن
مالک رضی الله عنه فی حدیث الشفاعة عن رسول الله
صلی الله علیه وسلم انه قال: "فاذا أتوا آدم ،یسألونه ان
یشفع لهم الی ربه ،قال لهم آدم :أرأیتم لوان احدکم
جمع متاعه فیی عیبته ثم ختم علیها،فهل کان یؤتی المتاع
الامن قبل الختم ؟ فاتوامحمداً فهوخاتم النبیین "ومعناه
عندنا :ان النبوة تمت باجمعها لمحمد صلی الله علیه
وسلم ،فجعل قلبه لکمال النبوة وعاء علیها ،ثم ختم .(الی
ان قال:) ولم یدع الله الحجة مکتومة فی باطن قلبه
حتی اظهرها:فکان بین کتفیه ذٰلک الختم ظاهراً کبیضة

حمامة ، و(هٰذ ا) له شأن عظيم تطول قصته ـ

فان الذی عمی عن خبرهٰذا ،یظن ان ”خاتم النبیین“ تأویله انه آخرهم مبعثاً . فأی منقبة فی هٰذ ا ؟ وای علم فی هٰذا ؟ هٰذاتأ ویل البله الجهلة.

وقرأ العامة ”خاتَم“بفتح التاء . واما من قرأ من السلف بکسر التاء،فانماتاویله انه ”خاتِم“ علی معنی فاعل ،ای:انه ختم النبوة بالذی اعطی من الختم . وممایحقق ذٰلک ماروی فی حدیث المعراج ،من حدیث ابی جعفرالرازی عن الربیع بن ابی العالیه فیمایذکرمن مجتمع الانبیاء فی المسجد الاقصی :فیذکر کل نبی منّة الله علیه . فکان من قول رسول الله صلی الله علیه وسلم ،انه قال: ”وجعلنی خاتماًوفاتحاً.“ فقال ابراهیم علیه السلام :بهٰذافضلکم محمد!

یعنی:اللہ تعالی نے حضورصلی اللہ علیہ وسلم کوایسی خصوصیتوں سے نوازاجوکائنات میں کسی کوعطانہیں ہوئیں ـ بعض خصوصیتیں تووہ ہیں جن کواپنے خاص لوگوں کے علاوہ ساری مخلوق سے پنہاں رکھاـ اور بعض خصوصیتیں وہ ہیں جن کاانکارممکن نہیں (یہاں تک کہ فرمایا) انہی

خصوصیتوں کی وجہ سے آپ انبیا علیہم السلام کے سردار قرار پائے۔ پھر وہ خصوصیت عطا فرمائی جسے دفع نہیں کیا جا سکتا، یعنی ''خاتم نبوۃ'' جو موقف کے دن مخلوقات پر ''خدائی حجت'' ہے۔ یہ کسی بھی نبی کو عطا نہیں ہوئی۔

کسی نے مصنف (حکیم ترمذی) سے عرض کیا: خاتم النبوۃ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ ارشادِ الٰہی: ''اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے رب کے پاس ان کے لیے مقامِ صدق ہے'' کی حقیقت کے مطابق مخلوق پر خدائی حجت کا نام ہے، اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے صدق عبودیت اور اخلاص کی گواہی دی۔ پس جب اللہ سبحانہ مقام موقف میں اپنی عظمت و بزرگی کے ساتھ ظہور کرے گا اور ارشاد فرمائے گا: اے میرے بندو! میں نے تم کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا تھا، لہذا عبادت پیش کرو! تو اس مقام کی دہشت و ہولنا کی کے سبب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی بھی حس و حرکت نہ کر سکے گا۔ پھر آپ اس صدق کے باعث جو آپ کو حاصل ہوگا، تمام انبیا و مرسلین کی صفوں سے آگے پہنچ جائیں گے؛ کیوں کہ آپ ہی نے کما حقہ اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی بجالائی ہے۔ پھر خدائے جل شانہ اسے قبول فرما کر آپ کو کرسی کے پاس واقع مقام محمود بھیجے گا۔ پھر اس مہر سے

غلاف اٹھالے گا اور ایک نور آپ کو محیط ہو جائے گا اور اس نور کی کرنیں آپ پر ظاہر ہوں گی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پاک سے زبان مبارک پر ایسی حمد وثنا صادر ہوگی جسے کسی مخلوق نے نہیں سُنی ہوگی، حتی کہ تمام انبیا جان لیں گے کہ محمد ﷺ اللہ تعالی کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ وہ پہلے مبلغ اور پہلے شفاعت کرنے والے ہیں۔ پھر آپ کو لواء الحمد اور سخاوت کی کنجیاں عطا کی جائیں گی۔ حمد کا جھنڈا تو تمام مومنین کے لیے ہوگا، انبیا کے لیے سخاوت کی کنجیاں ہوں گی۔ اور خاتم النبوۃ کا ایک نیا آغاز اور ایک ایسی شان ہوگی جس کو سمجھنے کے تم متحمل نہیں ہو۔۔۔۔۔۔ مجھے امید ہے کہ خاتم النبوۃ کے حوالے سے اتنی معلومات تمہارے لیے کافی ہوگی۔

پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم انبیا واولیا اور ان سے نیچے والوں کے لیے شفاعت کرنے والے قرار پائے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمد کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ''یہاں تک کہ اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اس دن میری ضرورت محسوس کریں گے۔''

پھر مصنف نے فرمایا:

کیا تم نہیں دیکھتے کہ خدائے بزرگ وبرتر نے ایک سے زیادہ آیات

میں بشارت کا ذکر فرمایا ہے۔ کہیں اس کا ذکر مشروط طریقے سے ہوا ہے جیسا کہ ''اوران لوگوں کوخوشخبری سنادو جوایمان لائے اور عمل صالح کیے ''۔تو کہیں اس کا ذکر بلاشرط ہوا ہے، جیسا کہ: ''اوران لوگوں کوخوشخبری سُنادو جوایمان لائے کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس مقام صدق ہے''۔ یہاں رب کریم لوگوں کو بتا تا ہے کہ اس دن سب کی نجات اسی اخلاص اور قدم صدق کی وجہ سے ہوگی۔

جہاں تک دلیل کا تعلق ہے تو رب ذوالجلال انبیا علیہم السلام سے فرمائے گا: اے انبیا کی جماعت! یہ محمد ہیں، جو سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہیں، جو نحیف و ناتواں جسم والے اور قلیل عمر و معاش والے ہیں، مگر وہ ایسی چیزیں لے آئے جو تم دیکھ سکتے ہو یعنی: صدق بندگی، کثرت علم و معرفت! اور تم اپنی مضبوط طاقت اور کثیر عمر کے باوجود وہ نہیں لائے جو وہ لے آئے۔ اس کے بعد مہر کا غلاف ہٹا دیا جائے گا، جس کے بعد تکلم کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا اور تمام مخلوق پر حجت قائم ہو جائے گی ؛ کیوں کہ مہر والی چیز محفوظ ہوتی ہے۔

پھر فرمایا:

خدائے تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نبوت کے حصوں کو جمع فرما کر آپ کے لیے اس کی تکمیل کی پھر اس پر اپنی مہر بھی ثبت فرما دی۔

مزید فرمایا:

کیا تم نے حسن بصری رحمہ اللہ کی حدیث نہیں دیکھی جو باب شفاعت میں آقائے دو جہاں سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پس جب روز قیامت لوگ حیران و پریشان آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اوران سے رب کے حضور اپنے حق میں شفاعت کی درخواست کریں گے تو حضرت آدم ان لوگوں سے کہیں گے: ''کوئی اپنا سامان اپنے برتن میں رکھ کر اس پر مہر لگادے تو کیا صاحب مہر اوران کی اجازت کے بغیر وہ سامان دیا جائے گا؟ یہ سُن کر وہ لوگ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں گے؛ کیوں کہ آپ خاتم الانبیا یعنی انبیا کی مہر ہیں''۔

ہم اہل سنت کے نزدیک خاتم الانبیا کا معنی ومفہوم یہ ہے کہ ''نبوت کے تمام اجزا ہمارے نبی کے لیے مکمل ہو گئے چنانچہ کمال نبوت کی بنا پر اللہ سبحانہ نے آپ کے قلب اطہر کو نبوت کا ظرف بنایا پھر اس پر مہر لگادی۔

(یہاں تک کہ فرمایا)

جو اِن اخبار واحادیث کو دیکھنے سے اندھا ہو گیا وہ گمان کرتا ہے کہ خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں سے

اخیر میں مبعوث ہوئے بھلا اس میں کون سی فضیلت؟ اور کون سا علمی فائدہ ہے؟ یہ تو بے وقوفوں اور جاہلوں کا خیال ہے۔

بہت سے لوگ ''تا'' کے فتح کے ساتھ ''خاتَم'' پڑھتے ہیں البتہ اسلاف کی قرأت ''تا'' کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اب اس کی یہی تاویل ہوگی کہ ''خاتِم'' صیغۂ فاعل ہے یعنی جو مہر آپ صلی اللہ علیہ کو عطا ہوئی اس سے آپ نے نبوت پر مہر لگادی۔ اس کا حاصل وہی ہے جو حدیث معراج میں ابوجعفر الرازی روایت عن الربیع بن ابی العالیہ منقول ہے جس میں مسجد اقصیٰ کے اندر انبیا کے مجتمع ہونے کا ذکر ہے کہ: ''ہر نبی خدا کے احسان کو یاد رکھے گا۔'' نیز یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی قول کا خلاصہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اور اس نے مجھے خاتم اور فاتح بنایا'' تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ''اے گروہ انبیا! اسی (خاتمیت) کے سبب محمد تم سب سے افضل ہیں''۔

کچھ لوگ اس عبارت میں قطع و برید کرتے ہوئے لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں کہ جو بات مولانا قاسم نانوتوی نے کہی ہے کہ:

''قبل عرض جواب یہ گزارش ہے کہ اول معنیٔ خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں، تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے

سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح میں ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟

ہاں! اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہئے اور اس مقام کو مقام مدح قرار نہ دیجئے تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی صحیح ہوسکتی ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اہل اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارہ نہ ہوگی کہ اس میں:

ایک تو خدا کی جانب یاوہ (فضول، بکواس) گوئی کا وہم ہے، آخر اس وصف میں اور قد وقامت وشکل ورنگ وسکونت وغیرہ اوصاف میں جن کو نبوت یا اور فضائل میں کچھ دخل نہیں، کیا فرق ہے؟ جو اس کو ذکر کیا اوروں کو ذکر نہ کیا۔

دوسرے رسول ﷺ کی جانب نقصان قدر کا احتمال؛ کیونکہ اہل کمال کے کمالات ذکر کیا کرتے ہیں اور ایسے ویسے لوگوں کے اس قسم کے احوال بیان کیا کرتے ہیں۔ اعتبار نہ ہو تو تاریخوں کو دیکھ لیجئے۔ باقی یہ احتمال کہ یہ دین آخری دین تھا اس لئے سد باب مدعیان نبوت کیا ہے، جو کل کو جھوٹے دعوے کر کے خلائق کو گمراہ کریں گے البتہ فی حد ذاتہ قابل لحاظ

ہے پر جملہ ماکان محمد ابا احد من رجالکم اور جملہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں کیا تناسب تھا جو ایک کو دوسرے پر عطف کیا اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو استدراک قرار دیا۔ اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی بے ربطی، بے ارتباطی خدا کے کلام معجز نظام میں متصور نہیں۔ اگر سد باب منظور ہی تھا تو اس کے لیے اور بیسیوں مواقع تھے۔ (ایضاص ۳۔۴)''

وہی بات تو حضرت حکیم ترمذی نے بھی فرمائی ہے:

ان "خاتم النبیین" تأویله انه آخرهم مبعثاً . فأی منقبة فی هٰذا ؟ وای علم فی هٰذا ؟ هٰذاتأ ویل البله الجهلة.

ترجمہ: خاتم النبیین کے معنی یہ ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں سے اخیر میں مبعوث ہوئے۔ بھلا اس میں کونسی فضیلت اور کونسا علمی فائدہ ہے؟ یہ تو بے وقوفوں اور جاہلوں کا خیال ہے۔

اہل انصاف دیکھیں کہ کیا یہ ''قرآن کریم کی آیت: لقد کفر الذین قالوا ان اللہ هو المسیح ابن مریم ''(سورہ مائدہ:۷۲) کے شروع سے لفظ ''لقد کفر الذین قالوا '' کو حذف کر کے ''ان اللہ هو المسیح ابن مریم '' کو نقل کر دینے کی طرح نہیں ہے؟ حکیم ترمذی کی عبارت ہے:

فان الذی عمی عن خبرهٰذا ،یظن ان "خاتم النبیین "

تأویله انه آخرهم مبعثاً . فأی منقبة فی هٰذا ؟ وای علم فی هٰذا ؟ هٰذاتاً ویل البله الجهلة.

ترجمہ: جو اوپر مذکور شدہ اِن اخبار و احادیث کو دیکھنے سے اندھا ہوگیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ ”خاتم النبیین کے معنی یہ ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں سے اخیر میں مبعوث ہوئے تو اس میں کونسی فضیلت اور کونسا علمی فائدہ ہے؟ یہ تو بے وقوفوں اور جاہلون کا خیال ہے۔

مگر یہ لوگ **”خاتم النبیین“** سے پہلے کی یہ عبارت: **فان الذی عمی عن خبر ھذا ،یظن ان** “ کو چھوڑ کر قارئین کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ناکام کوشش کررہے ہیں۔

الغرض خاتم النبیین کے معنی (عوام یعنی ناسمجھ لوگوں کے مطابق) آخری نبی ماننے میں نانوتوی صاحب کے نزدیک مذکورہ بالا خرابیاں لازم آتی ہیں، تو اُن کے اہل فہم (یعنی سمجھ دار لوگوں) کے نزدیک اس کے معنی کیا ہیں جس میں یہ خرابیاں لازم نہیں آتی ہیں؟ نانوتوی صاحب لکھتے ہیں:

”بلکہ بنائے خاتمیت اور (دوسری) بات پر ہے، جس سے تاخر زمانی اور سد باب مذکور خود بخود لازم آجاتا ہے اور فضیلت نبوی دوبالا ہوجاتی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف

بالذات پر ختم ہو جاتا ہے جیسے موصوف بالعرض کا وصف موصوف
بالذات سے مکتسب ہوتا ہے، موصوف بالذات کا وصف، جس کا ذاتی
ہونا اور غیر مکتسب من الغیر لفظ بالذات ہی سے مفہوم ہے کسی غیر سے
مکتسب اور مستعار نہیں ہوتا۔ مثال درکار ہو تو لیجئے زمین و کہسار اور در
و دیوار کا نور اگر آفتاب کا فیض ہے تو آفتاب کا نور کسی اور کا فیض
نہیں اور ہماری غرض وصف ذاتی ہونے سے اتنی ہی تھی ۔ .... سواسی
طور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کو تصور فرمایئے یعنی آپ
موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور نبی موصوف
بوصف نبوت بالعرض۔ اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے پر آپ کی
نبوت کسی اور کا فیض نہیں۔ آپ پر سلسلۂ نبوت مختتم ہو جاتا ہے۔ غرض
آپ جیسے نبی الامۃ ہیں ویسے ہی نبی الانبیا بھی ہیں (ایضاص۴)

...اضافت الی النبیین بایں اعتبار کہ نبوت منجملہ اقسام مراتب ہے،
یہی ہے کہ اس مفہوم کا مضاف الیہ، وصف نبوت ہے، زمانہ نبوت نہیں
" (ایضا۸)

یعنی اہل فہم (سمجھ دار لوگوں) کے نزدیک خاتم النبیین کے معنی آخری نبی
نہیں بلکہ نبی بالذات ہیں۔ مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا واسطہ نبوت عطا ہوئی
اور دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کو آپ کے واسطہ سے۔ یعنی دوسرے انبیا صرف

نبیؐ امت ہیں اور آپ نبیؐ امت کے ساتھ ساتھ نبیؐ الانبیا بھی ہیں۔

الغرض نانوتوی صاحب کے نزدیک جب آیت کریمہ کے معنی آخری نبی نہ ہو کر نبی بالذات ہوئے تو جو انبیائے کرام حضور ﷺ سے پہلے پیدا ہوئے ہیں، وہ بھی آپ ہی کے واسطے سے نبی ہوئے ہیں۔ اس لیے آپ ان کے بھی نبی ہوئے، اور جو آپ کے زمانہ میں پیدا ہوئے ہوں، وہ بھی آپ کے واسطے ہی سے، اس لیے آپ ان کے بھی نبی ہیں۔ اور جو آپ کے بعد پیدا ہوں گے، وہ بھی آپ ہی کے واسطہ سے پیدا ہوں گے۔ اس لیے آپ ان کے بھی نبی ہوں گے۔ آپ کے زمانے میں یا آپ کے زمانے کے بعد بھی نبی پیدا ہو جانا آپ کے خاتم النبیین ہونے کا منافی نہیں۔ کیونکہ خاتم النبیین کے معنی، ''نبی بالذات اور نبی الانبیا'' ہیں۔ اور اس صورت میں بھی آپ نبی بالذات اور نبی الانبیا رہ جاتے ہیں۔ لکھا ہے:

''فرض کیجئے آپ کے زمانے مین بھی اس زمین میں یا آسمان میں کوئی نبی ہو تو وہ بھی اس وصف نبوت میں آپ ہی کا محتاج ہوگا، اور اس کا سلسلۂ نبوت بہر طور آپ پر مختتم ہوگا'' (تحذیر الناس ص ۱۳ و ۱۴)

پھر لکھا ہے:

''غرض اختتام بایں معنی تجویز کیا جائے تو آپ کا خاتم ہونا، انبیاء گزشتہ ہی کی بہ نسبت خاص نہ ہوگا، بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں کہیں

اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے''

(ایضاص۱۴)

مزید لکھا ہے:

''اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوت لیجئے، جیسا اس ہیچ مداں نے عرض کیا ہے، تو پھر سوائے رسول اللہ ﷺ اور کسی کو افراد مقصودہ بالخلق میں سے مماثل نبوی ﷺ نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کی افراد خارجی ہی پر آپ کی افضلیت ثابت نہ ہوگی، افراد مقدرہ پر بھی آپ کی افضلیت ثابت ہو جائے گی بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا، چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔ بالجملہ نبوت اثر مذکور دونا مثبت خاتمیت ہے معارض ومخالف خاتم النبیین نہیں''۔ (ایضاص۲۵)

تو ثابت ہوا کہ نانوتوی صاحب نے حضور خاتم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بمعنی آخری نبی نہیں مانا۔ جب کہ **خاتم النبیین** بمعنی آخری نبی نہ ماننا کفر قطعی یقینی ہے۔ امام غزالی اپنی کتاب الاقتصاد ص:۱۷۸ پر فرماتے ہیں:

ان الامة فهمت بالاجماع من هٰذا اللفظ ومن قرائن اخری . انه افهم عدم نبی بعده ابدًا وعدم رسول

ابداً، وانہ لیس فیہ تاویل ولاتخصیص ومنکر ھٰذالایکون الامنکرا للاجماع۔

ترجمہ: امت نے اجماعی طور پر اس لفظ سے اور دوسرے قرائن سے بھی یہی سمجھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں ہوگا۔ اس میں کسی تاویل و تخصیص کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کا انکار کرنے والا اجماع کا منکر ہے۔

فتاویٰ عالم گیری، ج۲ص۲۷۶ مطبوعہ مکتبہ زکریا میں ہے:

اذالم یعرف الرجل ان محمداصلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء (علیھم وعلی نبینا السلام) فلیس بمسلم کذافی الیتیمیة

ترجمہ: جو آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہ مانے وہ مسلمان نہیں۔

شبہات اوران کا ازالہ

شبہہ (۱) اس مقام پر یہ شبہہ نہ کیا جائے کہ نانوتوی صاحب نے تو لفظ ''اگر'' کے ساتھ لکھا ہے، چنانچہ ان کی عبارت کے الفاظ ہیں:

''اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے'' (ایضاص ۱۴)

اسی طرح صفحہ ۲۵ پر ان کی عبارت ہے:

''اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا'' (ایضا)

تو یہ قضیے شرطیہ ہوئے۔ اور قضیہ شرطیہ میں یہ ضروری نہیں ہے کہ متکلم کے نزدیک مقدم (شرط) کا وجود ممکن ہو، بلکہ وہ محال بھی ہوسکتا ہے، جیسے 'لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا' وغیرہ۔ پھر اُن کی اِن عبارتوں مین لفظ ''فرض'' بھی موجود ہے، جو اس بات کا قرینہ ہے کہ نانوتوی صاحب کے نزدیک بھی مقدم (شرط) کا وجود یعنی 'حضور ﷺ کے زمانے میں اور آپ کے بعد نبی پیدا ہونا' ممکن نہیں محال ہے۔

ازالۂ شبہہ (۱) شبہہ نہ کئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ قضیہ شرطیہ میں مقدم (شرط) کا وجود متکلم کے نزدیک ممکن ہونا، اگر چہ ضروری نہیں۔ کبھی ممکن ہوتا ہے، تو کبھی محال بھی۔ مگر یہاں نانوتوی صاحب نے مقدم (شرط) کا وجود ممکن مانا ہے، محال نہیں؛ کیونکہ

انہوں نے لکھا ہے:

”اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی ہی پر آپ کی افضلیت ثابت نہ ہوگی افراد مقدرہ پر بھی آپ کی افضلیت ثابت ہو جائے گی“ (ص ۲۵)

اور افراد خارجیہ و مقدرہ ممکن کے افراد ہوتے ہیں، محال کے نہیں۔ ہاں! افراد ذہنیہ محال کے بھی افراد ہوتے ہیں۔

شرح تہذیب میں ہے:

القضايا الحملية المعتبرة باعتبار وجود موضوعها ثلثة اقسام؛ لان الحكم فيها اما على الموضوع الموجود فى الخارج محققاً نحو كل انسان حيوان بمعنى كل انسان موجود فى الخارج حيوان فى الخارج، واما على الموضوع الموجود مقدراً نحو كل انسان حيوان بمعنى ان كل ما وجد فى الخارج وكان انساناً فهو على تقدير وجوده حيوان وهٰذا الموجود المقدر انما اعتبروه فى الافراد الممكنة لا الممتنعة كافراد اللاشئ وشريك البارى، واما على الموضوع الموجود فى الذهن كشريك البارى ممتنع بمعنى ان كل مالو وجد فى العقل ويفرضه

العقل شریک الباری فھو موصوف فی الذھن بالامتناع وھٰذا انما اعتبروہ فی الموضوعات التی لیست لھا افراد ممکنۃ التحقق فی الخارج.

ترجمہ: وجود موضوع کے لحاظ سے قابل اعتبار قضیہ حملیہ کی تین قسمیں ہیں؛ کیوں کہ حکم اس موضوع پر ہوگا جو خارج میں محقق طور پر موجود ہو جیسے "ہر انسان جاندار ہے" جب اس کے معنی یہ ہوں کہ "ہر انسان جو خارج میں موجود ہے، وہ خارج میں جاندار ہے"۔ یا حکم اس موضوع پر ہوگا جو مقدر ہو جیسے "ہر انسان جاندار ہے" جب اس کے معنی یہ ہوں کہ "جو خارج میں پایا جائے اور انسان ہو، تو وہ پائے جانے کی تقدیر پر انسان ہوگا"۔ اور موجود مقدر کا اعتبار صرف افراد ممکنہ میں ہوگا، افراد ممتنعہ جیسے لاشئ اور شریک باری کے افراد میں نہیں ہوگا۔ یا ذہن میں موجود موضوع پر ہوگا جیسے "شریک باری ممتنع ہے" جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ "جو چیز بھی عقل میں آئے اور عقل اس کو فرض کرے کہ وہ شریک باری ہے، وہ ذہن میں موصوف بالامتناع ہے"۔ اور اس کا اعتبار صرف انہی موضوعات میں ہوتا ہے جن کے افراد خارج میں ممکن التحقق نہیں ہوتے ہیں۔

رہا لفظ فرض! تو نانوتوی صاحب نے یہاں اسے فرض محال و فرض محض کے لیے

استعمال نہیں کیا ہے، بلکہ فرض ممکن وتجویز کے لیے استعمال کیا ہے؛ کیونکہ لفظ فرض جہاں فرض محال کے لیے استعمال ہوتا ہے، وہاں شئ مفروض کی حقیقت باقی نہیں رہتی ہے، اس میں فرق آجاتا ہے۔ جیسے اس جملے میں ''زید اگر بالفرض شیر ہوتو درندہ ہوگا'' یہاں زید کو شیر فرض کر لینے سے وہ انسان باقی نہیں رہے گا، اس کی حقیقت یعنی 'انسان ہونے' میں فرق آجائے گا۔

اور جہاں فرض ممکن وتجویز کے لئے استعمال ہو، وہاں شئ مفروض کی حقیقت باقی رہتی ہے، اس میں فرق نہیں آتا ہے۔ جیسے اس جملے میں ''اگر بالفرض زید پچاس ہاتھ لمبا ہوتو اس کا قد دوسروں کی بہ نسبت کئی گنا بڑا ہوگا۔'' یہاں زید کو پچاس ہاتھ لمبا فرض کر لینے سے وہ انسان باقی رہے گا، اس کے انسان ہونے میں فرق نہیں آجائے گا۔

الغرض! فرض محض ومحال اور فرض ممکن وتجویز میں باقی نہ رہنے، فرق آجانے اور ،باقی رہنے اور فرق نہ آنے کا ہی فرق ہوتا ہے۔ اور یہاں نانوتوی صاحب نے باقی رہنے اور فرق نہ آنے ہی کی بات لکھی ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

''جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے'' (تحذیر الناس ص ۱۴)

پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا'' (ایضاص ۲۵)

تو ثابت ہوا کہ یہاں فرض سے مراد فرض محض ومحال نہیں، بلکہ فرض ممکن وتجویز ہے ۔اسی لیے خود مولانا نانوتوی نے بھی فرض کے ساتھ ساتھ ''تجویز'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

”فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی“ تجویز ”کیا جائے“،

(ایضاص ۲۵)

تو تسلیم کرنا ہوگا کہ نانوتوی صاحب نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نبی پیدا ہونے کو ممکن اور جائز قرار دیا ہے۔

شبہہ (۲) اسی طرح یہ شبہہ بھی نہ کیا جائے کہ مولانا نانوتوی نے بالذات نبی کے لیے آخری نبی ہونے کو لازم قرار دیا ہے۔ چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

”بلکہ بنائے خاتمیت اور (دوسری) بات پر ہے، جس سے تاخر زمانی اور سد باب مذکور خود بخود لازم آجاتا ہے اور فضیلت نبوی دوبالا ہوجاتی ہے“۔ (ایضاص ۴)

اور صفحہ ۸ پر لکھا ہے:

”ختم نبوت بمعنی معروض کو تاخر زمانی لازم ہے“۔ (ایضا)

مزید صفحہ ۱۰ پر لکھا ہے:

”تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالت التزامی ضرور ثابت ہے“
(ایضا)

اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نبی پیدا ہونے پر آپ کی خاتمیت باقی رہنے اور اس میں فرق نہ آنے، سے مراد یہ ہوگا کہ آپ کی خاتمیت ذاتی باقی رہے گی اور اس میں فرق نہیں آئے گا۔ یہ مراد نہیں ہے کہ آپ کی خاتمیت زمانی باقی رہے گی

اور اس میں فرق نہیں آئے گا۔

ازالۂ شبہہ (۲) شبہہ نہ کیے جانے کی وجہ یہ ہے کہ نانوتوی صاحب نے خاتم کے معنی مطابقی یعنی اصل معنی نبی بالذات بتایا ہے یعنی افضل الانبیا و نبی الانبیا۔ اور آخری نبی ہونے کو اس کا لازم قرار دیا ہے۔ تو نبی بالذات یعنی افضل الانبیا ہونا ملزوم ہوا۔ اور چوں کہ لازم کے ختم ہونے سے ملزوم ختم ہو جاتا ہے، جیسے: آگ ملزوم ہے اور گرم ہونا، لازم۔ تو اگر کوئی آگ کے تعلق سے کہے کہ "یہ گرم نہیں ہے" تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ پھر "آگ بھی نہیں ہے"۔ جس کا اعتراف و اقرار مولانا اشرف علی تھانوی کو بھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"لازم باطل ہے پس ملزوم بھی باطل ہے"۔ (تغییر العنوان)

اب اگر مانا جائے کہ "خاتمیت باقی رہنے اور اس میں فرق نہ آنے" سے نانوتوی صاحب کی مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے "نبی بالذات یعنی افضل الانبیا ہونے" کا باقی رہنا اور اس میں فرق نہ آنا ہے۔ آپ کے "آخری نبی ہونے" کا باقی رہنا اور اس میں فرق نہ آنا نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ تو روز روشن کی طرح بدیہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی پیدا ہو تو آپ آخری نبی باقی نہیں رہیں گے۔ آپ کے آخری نبی ہونے میں فرق آ جائے گا۔ تو یہ بھی ماننا ہوگا کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی بالذات و افضل الانبیا بھی نہیں رہیں گے۔ اسی کو کہتے ہیں: بارش سے بچنے کے لیے پرنالے کی پناہ۔

شبہہ (۳) یونہی یہ شبہہ بھی نہ کیا جائے کہ نانوتوی صاحب کی عبارت میں خاتم النبیین کے معنی آخری نبی قرار دینے کی صورت میں ان کا منشا صرف قید یعنی بالذات کی نفی کرنا رہا ہو، تو اس صورت میں بالعرض فضیلت ثابت رہے گی۔

ازالۂ شبہہ (۳) شبہہ نہ کئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ صرف بالذات کی نفی ہو اور بالعرض فضیلت ثابت ہو، تو مقام مدح میں ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرمانا کیوں نہیں صحیح ہوگا؟ ـــــ اس وصف کو وصف مدح کیوں نہیں کہا جائے گا؟ ـــــ اور اس مقام کو مقام مدح کیوں نہیں قرار دیا جائے گا؟ ـــــ کیا فضیلت بالعرض وصف مدح نہیں ہے؟ ـــــ اور کیا فضیلت بالعرض کو مقام مدح میں بیان نہیں کیا جاتا ہے؟ ـــــ نانوتوی صاحب کے نزدیک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ سارے نبیوں کی نبوت بالعرض ہے۔ تو کیا ان نبیوں کے لیے نبوت وصف مدح نہیں؟ ـــــ اور کیا قرآن واحادیث نے ان کے نبی ہونے کو مقام مدح میں بیان نہیں فرمایا ہے؟

جب فضیلت بالعرض بھی وصف مدح ہے۔ انبیائے سابقین اس وصف مدح سے متصف ہیں۔ قرآن واحادیث نے ان کے نبی ہونے کو مقام مدح میں بیان فرمایا ہے۔ اور نانوتوی صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کو وصف مدح نہیں مانا۔ تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ انہوں نے صرف قید کی نفی نہیں کی ہے بلکہ قید ومُقیَّد دونوں کی نفی کی ہے اور بالذات کی قید محض اتفاقی یا واقعی ہے۔ جیسے ارشاد خداوندی:

لا تأکلوا الربا اضعافا مضاعفة۔

ترجمہ: سود دونا دونی مت کھاؤ''

اس میں اضعافا مضاعفة۔ یعنی ''دونا دونی'' کی قید اتفاقی اور واقعی ہے۔ مقصود ''سود'' سے روکنا ہے، یہ نہیں کہ سود ''دونا دونی'' ہو، تو مت کھاؤ، ڈیڑھا۔یا۔سوایا ہو تو کھاؤ۔ چوں کہ اہل عرب عموماً سود، دونا، دونی ہی کھایا کرتے تھے، اس لیے قرآن نے ''دونا، دونی'' کی قید کے ساتھ نہی فرمائی۔

اسی طرح مسلمان چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے میں بالذات فضیلت مانتے ہیں اس لیے نانوتوی صاحب نے بالذات کی قید کے ساتھ نفی کی

شبہہ (۴) ایسے ہی یہ شبہہ بھی نہ کیا جائے کہ مولانا نانوتوی نے لفظ خاتم کو مطلق و عموم مجاز بھی مان کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کو ثابت کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

اگر بطور اطلاق یا عموم مجاز اس خاتمیت کو زمانی اور مرتبی سے عام لے لیجے تو پھر دونوں طرح کا ختم مراد ہوگا (صفحہ ۸) سو اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے۔ (تحذیر الناس ص ۹)

ازالۂ شبہہ (۴) شبہہ نہ کئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ نانوتوی صاحب کے نزدیک

توخاتم النبیین میں خاتم کے معنی آخری نبی ہیں ہی نہیں۔ان کے نزدیک معنی ہیں بالذات وافضل۔جیسا کہ گذشتہ سطور میں مبرہن ہوچکا۔ اطلاق وعموم مجاز تو انہوں نے بطور تنزل اہل سنت سے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک تو لفظ خاتم کے معنی آخری نبی ہیں نہیں۔مگر جب تم لوگ آخری نبی ہی مراد لینے پر مصر ہو،تو لفظ خاتم کو مطلق اور عام مان لیتے ہیں۔چنانچہ ان کی پوری عبارت یوں ہے:

ہاں!اگر بطور اطلاق یا عموم مجاز اس خاتمیت کو زمانی اور مرتبی سے عام لے لیجے تو پھر دونوں طرح کا ختم مراد ہوگا۔پر ایک مراد ہو تو شایان شان محمدی صلی اللہ علیہ وسلم خاتمیت مرتبی ہے نہ زمانی۔(ایضا صفحہ ۸)

مطلب صاف ہے کہ معتقد اہل سنت خاتمیت زمانی ہے۔ مگر اس کو جناب نے ثانوی پوزیشن پر رکھا اور اپنی منہ بولی تحقیق جدید کو بھی دوسرے نمبر دینے کی سعی ناتمام کی۔ لگے ہاتھوں ہم بھی فرما چلے کہ اے اہل سنت سن لو ہم پھر کہے دیتے ہیں کہ ہماری تحقیق جدید کے مطابق ہم تمہارا معتقد شایان شان محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں

اوہام اوران کا ازالہ

وہم (۱) یوں ہی کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ مولانا نانوتوی نے لفظ خاتم کو مشترک بھی قرار دے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کو ثابت کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

تقدم، تاخر، یا زمانی ہوگا۔ یا مکانی۔ یا مرتبی، یہ تین نوعیں ہیں۔ باقی مفہوم تقدم وتاخر تینوں کے حق میں جنس۔ اور ظاہر ہے کہ مثل چشم وچشمہ وذات وغیرہ معانی لفظ عین، ان تینوں میں جو مثل لفظ عین ،تقدم وتأخر اختتام کو جو تاخیر کے آثار میں سے ہے بہ نسبت انواع مذکورہ مشترک کہیئے، جنس نہ کہیئے۔ (تحذیر الناس ص ۸)

پھر لکھتے ہیں:

اس صورت میں ہر نوع میں مفہوم خاتمیت جدا طرح ظہور کرے گا جیسے آیت کریمہ انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان۔ میں مفہوم رجس جنس عام ہے کہ اس کے لیے خمر جدا نوع ہے اور میسر وغیرہ جدا۔ وہاں رجس نے اور طرح ظہور کیا یہاں اور طرح یعنی خمر میں نجاست ظاہری بھی ظاہر ہوئی۔ انواع باقیہ میں فقط نجاست باطنی ہی رہی الخ (ایضا ۹)

ازالۂ وہم (۱) وہم نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نانوتوی صاحب کی اس عبارت میں مشترک سے مراد مشترک لفظی ہے ۔یا۔ مشترک معنوی؟

مشترک لفظی مراد ہو جیسا کہ لفظ عیـــن کی مثال اور اس کے معانی: چشم ـ چشمہ ـ ذات ـ سے معلوم ہوتا ہے۔ تو یاد رہے کہ مشترک لفظی کے سارے معانی بیک وقت مراد نہیں ہوتے ہیں ۔ایک معنی مراد لے لیا جائے تو دوسرے معانی کا مراد لیا جانا ساقط ہو جاتا ہے، جیسے: طلاق والی غیر حاملہ عورت کی عدت کے تعلق سے قرآن کریم میں لفظ قـروء آیا ہے، جو حیض اور طہر دو معنوں میں مشترک لفظی ہے۔ امام اعظم نے حیض مراد لیا ہے، تو ان کے نزدیک طہر مراد لیا جانا ساقط ہے۔ اور امام شافعی نے طہر مراد لیا ہے، تو ان کے نزدیک حیض مراد لیا جانا ساقط ہے۔

یہاں نانوتوی صاحب بیک وقت ذاتی ، زمانی اور مکانی تینوں مراد لینے کی بات کرتے ہیں۔

مشترک معنوی مراد ہو جیسا کہ لفظ رجـــس کی مثال اور اس پر ان کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

"اس صورت میں ہر نوع میں مفہوم خاتمیت جدا طرح ظہور کرے گا جیسے آیت کریمہ الخ (ایضا)

تو واضح رہے کہ مشترک معنوی کے مصادیق الگ الگ ہوتے ہیں، جیسے رجس کے مصادیق میں خمر الگ ہے اور میسر الگ، اسی طرح انصاب الگ ہیں اور

الگ۔ جبکہ نانوتوی صاحب رتبی، زمانی اور مکانی تینوں کا مصداق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دے رہے ہیں۔

ازالہ وہم (۲) ایسے ہی یہ وہم بھی نہ ہو کہ مولانا قاسم نانوتوی نے تو حضور کے آخری نبی ہونے کو معنوی طور پر حدیث متواتر اور اجماع سے بھی ثابت مانا ہے اور اس کا انکار کرنے والے کو کافر کہا ہے، وہ لکھتے ہیں:

تصریحات نبوی مثل انت بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی، او کما قال جو بظاہر بہ طرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے، اس باب میں کافی ہے؛ کیوں کہ یہ مضمون درجۂ تواتر کو پہنچ گیا ہے۔ پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا گو الفاظ مذکور بہ سند تواتر منقول نہ ہوں۔ سو یہ عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی یہاں ایسا ہی ہوگا جیسا کہ تواتر اعداد رکعات فرائض و وتر باوجودے کہ الفاظ احادیث مشعر تعداد رکعات متواتر نہیں۔ جیسا اس کا منکر کافر ہے، ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔ (۹، ۱۰)

ازالۂ وہم (۲) وہم نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نانوتوی صاحب نے شروع میں قرآن کریم کے لفظ خاتم النبیین کے وہ معنی (یعنی آخری نبی) جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا اور بتایا۔ تمام صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین، اور عامۂ امت نے جس معنی کے مراد الٰہی ہونے پر اجماع قطعی و یقینی کیا۔ پوری امت مسلمہ نے جسے

بدیہی طور پر سمجھا اور مانا، اسی معنی کو ناسمجھ لوگوں کا خیال بتایا ـــــــ اس طرح انہوں نے پوری امت، ائمہ مجتہدین، تابعین، صحابہ اور اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ناسمجھ قرار دے کر خود کو سمجھ دار بتایا۔

وہ معنی (آخری نبی) جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی درجہ فضیلت و مدح ہے، اس معنی کو آپ کی فضیلت اور وصف مدح نہیں مانا۔

وہ معنی جسے قرآن واحادیث متواترہ نے مقام مدح میں بیان فرمایا، اسے مقام مدح میں بیان کے قابل نہیں مانا وغیرہ وغیرہ۔

اور یہ کہہ کر کہ ''بنائے خاتمیت اور بات پر ہے'' دوسرا معنی گڑھا جیسا کہ خود اعتراف کیا کہ:

اگر بوجہ کم التفاتی بڑوں کا فہم کسی مضمون تک نہ پہونچا تو ان کی شان میں کیا نقصان آ گیا اور کسی نادان نے کوئی ٹھکانے کی بات کہہ دی تو کیا اتنی بات سے وہ عظیم الشان ہو گیا؟

گاہ باشد کہ کودک ناداں ☆ بہ غلط بر ہدف زند تیرے۔

(تحذیر الناس ص ۲۶)

اس طرح اسلام سے اپنا ناطہ توڑ لیا۔ اور اس سے توبہ کئے بغیر یہ اعتراف کیا کہ: حدیث متواتر میں ناسمجھ لوگوں کے سمجھے ہوئے معنی ہی کو بتایا گیا ہے، اسی پر اجماع بھی منعقد ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔

پھر اس کے بعد کھلے لفظوں میں لکھا کہ:

''اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے'' (ص۱۴)

''اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا'' (۲۵)

تو کیا درمیان میں ان کا یہ اعتراف ان کے جُرم کو مٹا دے گا؟ کوئی مسلمان پہلے بولے کہ میں نماز، روزے کو فرض نہیں سمجھتا ہوں۔ اور تھوڑی دیر بعد کہے کہ نماز، روزے کی فرضیت پر احادیث متواترہ اور اجماع ہے اور انکار کرنے والا کافر۔ پھر کچھ وقفے کے بعد کہے کہ میں نماز، روزے کچھ نہیں مانتا۔ تو کیا اس کا درمیان میں یہ کہنا کہ نماز، روزے کی فرضیت پر احادیث متواترہ اور اجماع ہے، اس کے اگلے اور پچھلے دونوں جرموں کو مٹا دے گا؟ فقہائے کرام تو فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان نے مثلاً نماز، روزے کی فرضیت کا انکار کر دیا، تو جب تک اپنے اس قول سے توبہ نہ کرے کلمۂ شہادت پڑھنے سے مسلمان نہیں مانا جائے گا:

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر، ج۲ ص۳۲۵ کتاب السیر، باب المرتد میں ہے:

ان اتی بکلمة الشهادة علی وجه العادة لم ینفعه مالم یرجع عما قاله؛ لانه بالاتیان بکلمة الشهادة لا یرتفع الکفر.

ترجمہ: کلمۂ کفر بکنے کے بعد جب تک اس کفر سے رجوع نہ کرلے،
بطور عادت کلمۂ شہادت پڑھنے سے کفر ختم نہیں ہوگا۔

الغرض یہ بات متحقق ہوگئی کہ نانوتوی صاحب نے اللہ کے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا متعین طور پر انکار کردیا ہے جس میں تاویل بعید کا بھی احتمال نہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا انکار کفر قطعی ویقینی ہے۔

تذییل جلیل

حضرت حجۃ الاسلام، مولا حامد رضا خاں علیہ الرحمۃ نے تحذیر الناس کی متنازع فیہ عبارتیں، امام احمد رضا کی المعتمد المستند سے نقل کر کے حسام الحرمین میں اس طرح پیش کی تھیں:

قاسم النانوتوی صاحب تحذیر الناس و ھو القائل فیه لو فرض فی زمنه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بل لو حدث بعده صلی اللہ علیہ وسلم نبی جدید لم یخل ذٰلک بخاتمیته و انما یتخیل العوام انه صلی اللہ علیه وسلم خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین مع انه لا فضل فیه اصلا عند اھل الفھم الی آخر ما ذکر من الھذ یا نات الخ.

(ترجمہ) صاحب تحذیر الناس قاسم نانوتوی نے اپنے رسالہ میں کہا ہے: بالفرض آپ کے زمانہ میں بلکہ بالفرض بعد زمانۂ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن کہ تقدم وتاخر زمانہ میں کوئی فضیلت نہیں الخ۔

☆اس پر دیوبندی علما کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ:

(۱) مولانا قاسم نانوتوی نے لکھا تھا کہ: خاتم النبیین کے معنی آخری نبی مراد ہونے میں بالذات کوئی فضیلت نہیں، مگر حسام الحرمین میں اس کا ترجمہ کیا گیا تھا لافضل فیہ اصلا ۔جس کا ترجمہ ہوتا ہے ''اس میں کوئی فضیلت نہیں'' اس لیے حرمین کے علما نے کفر کا فتویٰ دیا۔ اگر اس کا صحیح ترجمہ لافضل فیہ بالذات [اس میں بالذات کوئی فضیلت نہیں] کرتے تو حرمین کے علما کفر کا فتویٰ نہ دیتے۔

اقول: اس پر ہم شبہہ نمبر۳ کے جواب میں تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں کہ نانوتوی صاحب کی عبارت میں بالذات کی قید، قید اتفاقی ہے، احترازی نہیں۔ خود نانوتوی صاحب نے لکھا ہے کہ آخری نبی ہونا، فضائل میں کوئی دخل نہیں رکھتا۔ ان کے الفاظ ہیں :

> ایک تو خدا کی جانب نعوذ باللہ یاوہ گوئی کا وہم ہے آخر اس وصف میں اور قد وقامت وشکل ورنگ وحسب ونسب وسکونت وغیرہ اوصاف جن کو نبوت یا اور فضائل میں کچھ دخل نہیں، کیا فرق ہے جو اس کو ذکر کیا اوروں کو ذکر نہ کیا؟ (تحذیر الناس ص۳)

جب '' آخری نبی'' ہونے کو فضائل میں کوئی دخل نہیں، تو اس کی تعبیر فصیح عربی میں یہی ہوگی کہ: لافضل فیہ اصلا.

☆اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ حسام الحرمین کی تصدیق علمائے عرب نے اس لیے

کر دی تھی کہ وہ اردو نہیں جانتے تھے۔

اقول: حسام الحرمین کی تصدیق کرنے والوں میں تفسیر نسفی کے محشی اکلیل کے مصنف حضرت شیخ محمد عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی بھی ہیں۔ جو ہندوستان کے صوبہ یوپی سے ہجرت کر کے زمانہ دراز سے وہاں رہ رہے تھے، اور مرجع علما و مشائخ تھے۔ ان کی تو مادری زبان ہی اردو تھی۔ اس لیے یہ کہنا کہ علماے عرب نے علماے دیوبند کو جو کافر و مرتد اور اسلام سے خارج قرار دیا ہے، وہ اردو نہ جاننے کی وجہ سے ہے۔ ایک پر فریب مغالطہ کے سوا کچھ بھی نہیں۔

☆ اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ علماے عرب کے سامنے ان اردو عبارتوں کا جو عربی ترجمہ پیش کیا گیا تھا، اس میں خیانت یہ کی گئی تھی کہ تحذیر الناس کی تین عبارتوں کو ترتیب بدل کر نقل کیا گیا تھا۔ چنانچہ تحذیر الناس میں وہ تینوں عبارتیں اس طرح سے ہیں:

عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں (ص ۳) بالفرض آپکے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے (ص ۱۴) بلکہ بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا (ص ۲۸)

مگر حسام الحرمین میں یوں نقل کی گئی ہیں:

لو فرض فی زمنه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بل لو حدث بعده ﷺ نبی جدید لم یخل ذلک بخاتمیته و انما یتخیل العوام انه صلی الله علیه وسلم خاتم النبین بمعنی آخرالنبیین مع انه لا فضل فیه اصلا عند اهل الفهم .الی آخر ما ذکرمن الهذیانات الخ

ترجمہ: بالفرض آپ کے زمانہ میں، بلکہ بالفرض بعد زمانۂ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو، تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن کہ تقدم وتاخر زمانہ میں کوئی فضیلت نہیں الخ۔

یعنی صفحہ۱۴ وصفحہ ۲۵ کی عبارتیں جو بعد میں تھیں، پہلے کر دی گئی ہیں،اور صفحہ۳ کی عبارت جو پہلے تھی، اسے بعد میں کر دیا گیا ہے،جس کی وجہ سے علمائے حرمین نے تکفیر کی ہے۔

اقول: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر مقام مدح وبیان فضیلت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمایا ہے۔جس سے ''آخری نبی'' مراد ہونے پر امت کا اجماع قطعی ویقینی ہے،تو مدح وفضیلت آخری نبی ہونے کو مستلزم ہوئی اور نانوتوی

صاحب نے صفحہ ۳ کی عبارت میں ''اسی آخری نبی'' مراد ہونے پر مدح وفضیلت، ہونے کا انکار کیا ہے'، تو بالواسطہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے ہی کا انکار ہوا۔اور صفحہ ۱۴ اور ۲۵ کی عبارتوں میں براہ راست آپ کے آخری نبی ہونے کا انکار کر دیا ہے ـــــ تو آخر کی دونوں عبارتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کے انکار میں پہلی عبارت سے واضح تر ہوئیں۔اس لیے الاهم فالاهم کے پیش نظر صفحہ ۱۴ اور ۲۵ کی عبارتیں پہلے اور صفحہ ۳ کی عبارت بعد میں نقل کی گئی ہے۔جس سے عبارتوں کے مفہوم ومعنی میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ورنہ بتایا جائے کہ اگر تحذیر الناس ہی کی ترتیب باقی رکھی جاتی اور نقل کیا جاتا کہ:

انما يتخيل العوام ان خاتمية رسول الله صلى الله عليه وسلم بمعنى انه آخر النبيين ،لكن جَلِيٌّ عنداهل الفهم ان التقدم او التاخر زمانا لافضل فيه اصلا(ص ۳)لو فرض فى زمنه صلى الله عليه وسلم نبى فى اى مكان كان،فخاتميته تبقى كما كانت (ص ۱۴)بل لو حدث نبى جديد فرضا بعد زمن النبى صلى الله عليه وسلم لم يُخِلَّ ذالك بخاتميته. (ص ۲۸)

ترجمہ: عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں۔مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی

میں بالذات کچھ فضیلت نہیں (ص۳) بالفرض آپ کے زمانے میں بھی
کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے
(ص۱۴) بلکہ بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی ہو تو بھی خاتمیت محمدی
میں کچھ فرق نہ آئے گا (ص۲۵)

تو مفہوم و معنی میں کیا فرق ہوتا؟ کہ علمائے حرمین تکفیر نہ فرماتے۔

☆اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ صفحہ ۱۴ و ۲۵ کی عبارتیں الگ الگ دو مستقل جملے ہیں۔ مگر حسام الحرمین کے اندر دونوں جملوں کو توڑ کے ایک ہی جملہ بنا ڈالا ہے۔ اس طرح کہ پہلے جملہ کے مسند الیہ کو حذف کیا گیا ہے اور دوسرے جملہ ہی کے مسند الیہ کو پہلے جملہ کا بھی مسند الیہ بنادیا گیا ہے۔ اس لیے حرمین کے علما نے تکفیر کردی۔ اگر ایسا نہ کیا گیا ہوتا تو حرمین کے علما ہرگز تکفیر نہیں کرتے۔

اقول: تحذیر الناس کے ص ۱۴ و ۲۸ کی عبارتیں شرط و جزا پر مشتمل ہیں۔ ص ۱۴ کی عبارت میں ــــ "بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو" ــــ شرط ہے۔ اور ــــ "جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے" اس کی جزا ــــ اسی طرح صفحہ ۲۸ کی عبارت میں ــــ "بلکہ بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو" ــــ شرط ہے۔ اور ــــ "تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا" ــــ اس کی جزا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں جزاؤں یعنی ــــ "آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا

"خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا" ــــ کے اندر کچھ الفاظ و تعبیر کا ہے" ــــ اور ــــ فرق تو ہے، مگر کیا معنوی اعتبار سے بھی کوئی فرق ہے؟ نہیں اور ہر گز نہیں۔

اسی طرح دونوں ہی عبارتوں کی شرطوں میں لفظ ــــ "نبی" ــــ مسند الیہ ہے۔ اور علی الترتیب لفظ۔ "ہو" ــــ اور لفظ ــــ "پیدا ہو" ــــ مسند۔ اور پہلی عبارت میں ــــ "آپ کے زمانے میں" ــــ اور دوسری عبارت میں ــــ "بعد زمانہ نبوی" ــــ ظرف۔

الغرض تحذیر الناس کی ان دونوں عبارتوں میں لفظوں کی تکرار سے شرطوں کی "جزا" بھی ایک ہے۔ اور شرطوں کے اندر "مسند الیہ" بھی ایک۔

اس لیے حسام الحرمین میں بے فائدہ طول عبارت اور تکرار لفظی سے احتراز کرتے ہوئے لکھا گیا:

لو فرض فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم بل لو حدث بعد زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی جدید لم یخل ذٰلک بخاتمیتہ۔

بالفرض آپ کے زمانہ میں، بلکہ بالفرض بعد زمانۂ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو، تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔

فاضل دیوبند مولانا منظور نعمانی نے بھی اپنی کتاب فیصلہ کن مناظرہ میں دونوں عبارتوں کا خلاصہ بعینہ اسی طرح لکھا ہے۔ لکھتے ہیں:

"بہر حال ص ۱۴، اور ص ۲۸ کے ان دونوں فقروں میں حضرت مرحوم

(تحذیر الناس کے مصنف مولانا محمد قاسم نانوتوی) صرف خاتمیت ذاتی کے متعلق فرمارہے ہیں کہ یہ ایسی خاتمیت ہے کہ ــــ "اگر بالفرض آپ کے زمانے میں یا آپ کے بعد کوئی اور نبی ہو تب بھی آپ کی خاتمیت میں کچھ فرق نہ آئے گا" ــــ (فیصلہ کن مناظرہ ص ۵۹)

بلکہ خود تحذیر الناس صفحہ ۱۳ کے حاشیہ پر بھی دونوں عبارتوں کا خلاصہ اسی طرح لکھا گیا ہے۔ یعنی:

"بالفرض آپ کے زمانے میں یا بالفرض آپ کے زمانے کے بعد بھی کوئی نبی فرض کیا جائے تو بھی خاتمیت محمد یہ میں فرق نہ آئے گا۔"

خلاصہ یہ کہ دیوبندی فاضل مولانا منظور احمد نعمانی اور خود **تحذیر الناس** کے محشی نے بھی بے فائدہ طول عبارت اور تکرار لفظی سے بچتے ہوئے ایجاز واختصار سے کام لیا، تو بعینہ اسی طرح لکھا جس طرح **حسام الحرمین** میں لکھا گیا ہے۔ یعنی دونوں ہی جملوں میں ــــ "جزا" ــــ چوں کہ ایک تھی اس لیے ایک جملے سے اس کو حذف کردیا ــــ اسی طرح دونوں ہی جملوں کی شرطوں میں۔ "مسند الیہ" ــــ ایک ہی تھا۔ لہذا ایک جملہ سے ــــ "مسند الیہ" ــــ کو حذف کردیا۔

تو معلوم ہوا کہ **حسام الحرمین** میں علمائے دیوبند کی عبارتوں کا عربی ترجمہ پیش کرنے میں خیانت نہیں کی گئی ہے، بلکہ بے فائدہ طول عبارت اور تکرار لفظی سے احتراز کرتے ہوئے ایجاز واختصار سے کام لیا گیا ہے۔

لیکن اب بھی اگر کسی کو اصرار ہی ہو تو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ تحذیر الناس اور حسام الحرمین دونوں ہی کتابوں سے وہ جملے نقل کریں، اور تقابل کر کے بتائیں کہ کیا دونوں کے مفہوم میں کوئی فرق ہے؟ اگر فرق نہیں ہے تو تحذیر الناس میں وہ جملے اسلامی، اور حسام الحرمین میں کفری کیسے ہو گئے؟ ہم ذیل میں تحذیر الناس اور حسام الحرمین کے حوالوں سے دونوں جملے نقل کئے دیتے ہیں۔

تحذیر الناس میں مذکور دونوں جملے:

بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ بلکہ بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔

حسام الحرمین میں منقول دونوں جملے:

بالفرض آپ کے زمانے میں، بلکہ آپ کے بعد بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی آپ کی خاتمیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

پھر یہ تو تحذیر الناس کی عبارت کا معاملہ ہے۔ براھین قاطعہ اور حفظ الایمان کی عبارتوں کے ترجموں سے متعلق تو علمائے دیوبند بھی نہیں کہہ رہے ہیں کہ ان میں کوئی تغیر و تبدل ہوا ہے۔ مگر علمائے عرب نے ان کو بھی کفر قرار دیا ہے، اور لکھنے والوں کی تکفیر کی ہے۔ تو کم از کم براھین قاطعہ اور حفظ الایمان ہی کی

عبارتوں کا کفری ہونا تو تسلیم کر لینا چاہیے۔ شرم تم کو مگر آتی نہیں

☆اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ علمائے عرب کو جب اس کا علم ہوا کہ مولانا احمد رضا نے ہمیں دھوکا دیا اور علمائے دیوبند کی عبارتوں کے غلط ترجمے دکھا کر ہم لوگوں سے فتوے حاصل کیے۔ تو انہوں نے تحقیقِ حال کے لیے علمائے دیوبند کی خدمت میں خط لکھا اور سوالات بھیجے۔ ان حضرات کے جواب میں علمائے دیوبند نے حقیقت حال کا انکشاف کیا، تو ان حضرات نے اپنے فیصلۂ تکفیر سے رجوع کر لیا اور علمائے دیوبند کو مسلمان قرار دیا۔ جس کی پوری تفصیل المھند نامی کتاب میں موجود ہے۔

اقول: جن علمائے حرمین نے حسام الحرمین میں مولانا قاسم نانوتوی معروف بہ بانی دارالعلوم دیوبند کے خلاف فیصلہ سنایا ہے اور اُن کی کتاب ''تحذیر الناس'' کی بنا پر نام لے کر کافر و مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے ، ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اُن فتوی دینے والے علما میں الہ آباد یوپی کے عالم حقانی، پایۂ حرمین، اکلیل کے مصنف، حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے جو عرصہ دراز سے مکہ مکرمہ میں اقامت پذیر تھے، تو کیا وہ بھی نہیں سمجھ پائے تھے کہ ترجمہ غلط کیا گیا ہے؟

پھر بھی اگر اردو نہ جاننے والے علما کو بعد میں شبہہ ہوا تھا، تو کیا وہ وہیں حضرات مولانا عبدالحق سے دریافت نہیں کر سکتے تھے کہ علمائے دیوبند سے استفسار کرتے؟۔

پھر اگر استفسار کرنا ہی ہوتا، تو جن کے خلاف فیصلہ کر چکے تھے اور کفر و ارتداد کے

فتوے دے چکے تھے، ان سے استفسار نامہ ہی میں ادب وتعظیم کے ساتھ خطاب کا انداز اختیار فرماتے؟ اور تعریف وتوصیف کے ساتھ ان کا نام لیتے؟؟ جب کہ المھند کے مقدمہ نگار مولانا قاضی مظہر حسین کے مطابق :

''یہ حضرات (علمائے حرمین) اکابر دیوبند اوران کی تصانیف سے پورے متعارف نہ تھے۔ (ص ۱۸ مطبوعہ ادارہ اسلامیات، لاہور)''

دیوبندی علمانے المھند میں علمائے عرب کی طرف منسوب استفسار نامہ کے جو الفاظ نقل کئے ہیں، وہ یہ ہیں:

ایھا العلماء الکرام، والجھابذۃ العظام قد نسب الی ساحتکم الکریمۃ اناس عقائد الوھابیۃ واتوا باوراق ورسائل لاتعرف معانیھا لاختلاف اللسان، نرجوا ان تخبرونا بحقیقۃ الحال ومرادات المقال، ونحن نسالکم عن امور اشتھر فیھا خلاف الوھابیۃ عن اھل السنۃ والجماعۃ.

ترجمہ: اے علمائے کرام اور سرداران عظام! تمہاری جانب چند لوگوں نے وہابی عقائد کی نسبت کی ہے اور چند اوراق اور رسالے ایسے لائے جن کا مطلب غیر زبان ہونے کے سبب ہم نہیں سمجھ سکے، اس لیے امید کرتے ہیں، ہمیں حقیقت حال اور قول کے مراد سے مطلع کروگے اور ہم تم سے چند امور ایسے دریافت کرتے ہیں جن میں وہابیہ کا اہل

سنت والجماعت سے خلاف مشہور ہے۔

کیا دنیا میں اس کی کوئی نظیر ہے کہ جج حضرات نے اپنے ہی فیصلہ پر خود ہی نظر ثانی کے لیے ملزم بلکہ مجرم کو اس انداز سے خطاب کیا ہو؟

ہاں! جب تحقیق سے ثابت ہو جاتا کہ حسام الحرمین میں ان کی طرف غلط عبارتیں منسوب کر دی تھیں، جن کی وجہ سے ان کی تکفیر ہوگئی ہے، تب وہ ایسا لکھتے ، تو ایک بات ہوتی۔

پھر لطف یہ ہے کہ جن علمائے حرمین نے سوالات بھیجے تھے، استفسار نامے میں ان حضرات کے پتے تو کیا ہوتے؟ نام تک مذکور نہیں ہے۔ علاوہ ازیں حسام الحرمین میں تحذیر الناس، کی اصل عبارتیں اور عربی میں ان عبارتوں کے ترجمے نقل کیے گئے تھے، جن کی وجہ سے علمائے حرمین نے مولانا قاسم نانوتوی ، کو اسلام سے خارج اور کافر و مرتد قرار دیا تھا۔ اب اگر ان حضرات کو ترجمے میں شبہہ ہوتا، تو وہ یہ پوچھتے کہ تمہاری کتاب میں یہ عبارتیں ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو عربی میں ان کے یہی ترجمے ہوتے ہیں یا کچھ اور؟ مگر **المھند** میں ان کی طرف جو استفسارات منسوب ہیں، ان میں کہیں بھی اس طرح کا کوئی سوال نہیں ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سوالات علمائے حرمین نے نہیں بھیجے تھے، بلکہ خود علمائے دیوبند ہی نے ترتیب دیئے ہیں۔ علمائے حرمین کی طرف اس کا انتساب من گڑھت افسانے کے سوا کچھ نہیں۔

بفرض غلط تسلیم بھی کرلیا جائے کہ یہ استفسار نامہ علمائے حرمین ہی کا تھا۔ المہند میں علمائے دیوبند نے اسی کا جواب دیا ہے، اور علمائے حرمین نے تقریظات میں یہ کہا ہے کہ: ''یہ جوابات اسلام کے خلاف اور کفر نہیں ہیں''۔
تو اس سے کہاں ثابت ہوتا ہے کہ مولانا قاسم نانوتوی مسلمان ہیں کافر نہیں؟
کیوں کہ المہند، جس پر علمائے حرمین کی تقریظات ہیں، اس میں نانوتوی صاحب کی تحذیر الناس کی کفری عبارتیں نقل ہی نہیں کی گئی ہیں کہ ان پر کفر کا فتویٰ دئے جانے یا نہ دئے جانے کی بات ہو۔

آج اگر کوئی شخص قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کرے اور کہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کلام ہے۔ پھر یہ ظاہر کرے کہ میں ''اللہ ورسول پر ایمان رکھتا ہوں، قرآن کو مانتا ہوں، اس میں جو نماز، روزے اور زکوٰۃ وحج کے احکام ہیں، سب کو تسلیم کرتا ہوں''۔ تو کیا دنیا یہ نہیں کہے گی کہ جن عقیدوں کا وہ اظہار کررہا ہے، وہ اسلام کے خلاف نہیں ہیں۔

اب اگر وہ چیخ چیخ کر یہ کہے کہ پوری دنیا میرے عقیدوں کو اسلامی عقیدے مان رہی ہے، اس لیے میں مسلمان ہوں، کافر نہیں۔ تو کیا علمائے دیوبند یہ فتوی دیں گے کہ اس کا کفر، کفر نہیں رہا، وہ مسلمان ہے؟

ہم یہاں تحذیر الناس کی اصل عبارتیں، اور اس کتاب حسام الحرمین میں نقل کردہ عبارتیں۔ پھر المہند کی عبارتیں ترتیب وار نقل کررہے ہیں، جس سے

حقیقت حال روز روشن کی طرح عیاں ہوکر سامنے آجائے گی۔

تحذیر الناس کی متنازع فیہ عبارت

عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں (ص ۳) بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے (ص ۱۴) بلکہ اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا (۲۵)

حسام الحرمین میں اس کا عربی ترجمہ

لو فرض فی زمنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بل لو حدث بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی جدید

لم یخل ذلک بخاتمیتہ. و انما یتخیل العوام انہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین مع انہ لا فضل فیہ اصلا عند اھل الفھم الی آخر ما ذکر من الھذ یا نات الخ.

ترجمہ: بالفرض آپ کے زمانہ میں بلکہ بالفرض بعد زمانۂ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ عوام کے خیال

ہیں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنیٰ ہے کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن کہ تقدم وتاخر زمانہ میں کوئی فضیلت نہیں الخ۔

المھند کی وہ عبارت جس کے تعلق سے کہا جاتا ہے کہ حسام الحرمین میں جو ترجمہ کیا گیا تھا، وہ صحیح نہیں تھا اس لیے علماے حرمین کے سامنے یہ صحیح ترجمہ پیش کیا گیا:

فانہ رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی رسالتہ المسماۃ بتحذیر الناس ماحاصلہ ان الخاتمیۃ جنس تحتہ نوعان احدھما خاتمیۃ زمانیۃ وھو ان یکون زمان نبوتہ صلی اللہ علیہ وسلم متاخرا من زمان نبوۃ جمیع الانبیاء ویکون خاتم النبوتھم بالزمان والثانی خاتمیۃ ذاتیۃ وھی ان یکون نفس نبوتہ صلی اللہ علیہ وسلم ختمت بھا وانتھت الیھا نبوۃ جمیع الانبیاء کما انہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین بالزمان کذلک ھو خاتم النبیین بالذات فان کل ما بالعرض یختم علی ما بالذات وینتھی الیہ ولا تتعداہ، ولما کان نبوتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالذات ونبوۃ سائر الانبیاء بالعرض لان نبوتھم علیھم السلام بواسطۃ نبوتہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو الفرد الاکمل

الاوحد الابجل قطب دائرة النبوة والرسالة وواسطة عقدهافهو خاتم النبيين ذاتاوزماناوليس خاتميته صلى الله عليه وسلم منحصرةفى الخاتمية الزمانيةفانه ليس كبيرة فضل ولازيادةرفعةان يكون زمانه صلى الله عليه وسلم متاخرمن زمان الانبياء قبله بل السيادةالكاملةوالرفعة البالغة والمجدالباهروالفخرالزاهرتبلغ غايتهااذاكان خاتميته صلى الله عليه وسلم ذاتا وزمانا واما اذا اقتصر على الخاتمية الزمانيةفلاتبلغ سيادته ورفعته صلى الله عليه وسلم كمالها ولايحصل له الفضل بكليته وجامعيته .(وهٰذاتدقيق منه رحمه الله تعالیٰ ظهرله فى مكاشفات فى اعظام شانه وواجلال برهانه وتفضيله وتبجيله صلى الله عليه وسلم۔

خودعلمائے دیوبند نے اس کا جوترجمہ کیا ہے، وہ یہ ہے

ترجمہ: جوکچھ مولانا نے اپنے رسالہ ''تحذیرالناس'' میں بیان فرمایا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ خاتمیت ایک جنس ہے جس کے تحت دونوعیں داخل ہیں ایک خاتمیت باعتبار زمانہ وہ یہ کہ آپ کی نبوت کا زمانہ تمام انبیا کی نبوت کے زمانہ سے متاخر ہے اور آپ بحیثیت زمانہ

کے سب کی نبوت کے خاتم ہیں۔اور دوسری نوع خاتمیت باعتبار
ذات ،جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہی کی نبوت ہے جس پر تمام انبیا کی
نبوت ختم و منتہی ہوئی اور جیسا کہ آپ خاتم النبیین ہیں باعتبار زمانہ اسی
طرح آپ خاتم النبیین ہیں بالذات کیوں کہ ہر وہ شئی جو بالعرض ہو ختم
ہوتی ہے اس پر جو بالذات ہو اس سے آگے سلسلہ نہیں چلتا اور جبکہ آپ
کی نبوت بالذات ہے اور تمام انبیا علیہم السلام کی نبوت آپ کی نبوت
کے واسطے سے ہے اور آپ ہی فرد اکمل و یگانہ اور دائرۂ رسالت و نبوت
کے مرکز اور عقد نبوت کے واسطہ ہیں پس آپ خاتم النبیین ہوئے
ذاتاً بھی اور زماناً بھی اور آپ کی خاتمیت صرف زمانہ کے اعتبار سے
نہیں ہے۔اس لیے کہ یہ کوئی بڑی فضیلت نہیں ہے کہ آپ کا زمانہ
انبیائے سابقین کے زمانہ سے پیچھے ہے بلکہ کامل سرداری اور غایت
رفعت اور انتہا درجہ کا شرف اسی وقت ثابت ہوگا جبکہ آپ کی خاتمیت
ذات اور زمانہ دونوں اعتبار سے ہو۔ ورنہ محض زمانہ کے اعتبار سے خاتم
الانبیا ہونے سے آپ کی سیادت و رفعت نہ مرتبۂ کمال کو پہنچے گی اور نہ
آپ کو جامعیت و فضل کلی کا شرف حاصل ہوگا۔ (اور یہ دقیق مضمون
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت و رفعت شان و عظمت کے
بیان میں مولانا کا مکاشفہ ہے۔)

تحذیر الناس کی اصل عبارت ساڑھے تین سطروں میں ہے، حسام الحرمین

میں اس کا عربی ترجمہ تین سطروں سے کم ہی میں آگیا ہے۔ مگر المھند میں ترجمہ کے نام پر جو عربی عبارت لکھی گئی ہے، وہ ساڑھے سولہ سطروں میں لکھی گئی ہے۔ پھر تحذیر الناس میں جو عبارت ہے، اس کا عربی ترجمہ جو بھی کرے گا، وہی ہوگا جو حسام الحرمین میں ہے۔ اور حسام الحرمین میں جو عربی عبارت ہے، اس کا اردو ترجمہ جو بھی کرے گا، وہ، وہی ہوگا جو تحذیر الناس میں ہے۔ اس کے برخلاف المھند کی عربی عبارت کا جو اردو ترجمہ خود علمائے دیوبند نے چودہ سطروں میں کیا ہے، اس میں تحذیر الناس کی متنازع عبارت کا نام ونشان تک نہیں ہے۔

کیا اس سے ثابت نہیں ہوجاتا کہ عربی ترجمہ کرنے میں خیانت کر کے علماے حرمین کو دھوکا حسام الحرمین میں نہیں دیا گیا ہے، بلکہ علماے دیوبند نے خیانت کر کے اپنی متفقہ کتاب المھند میں علماے حرمین کو دھوکا وفریب دیا ہے؛ کیوں کہ وہ حضرات اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ متنازع عبارتوں کا صحیح ترجمہ کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہی حکم جو حسام الحرمین میں ہے کہ ایسا لکھنے والے مسلمان نہیں، دائرۂ اسلام سے خارج ہیں، اس میں بھی آجائے گا۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ المھند میں تقریظ نگاروں کی اصل عبارتیں نقل نہیں کی گئی ہیں، تقریظوں کا خلاصہ اپنے الفاظ میں نقل کیا گیا ہے۔ آخر ایسا کیوں کیا گیا؟ ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

مولانا رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی کا کفر

(۳،۲) دارالعلوم'' دیوبند'' کے سرپرست مولانا رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی نے ''براهین قاطعه'' کی بعض عبارتوں میں شیطان کو خدا کا شریک قرار دے دیا ہے،اور متعین یعنی صریح و مفسر طور پر شیطان کے علم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتا کر آپ کی کھلی توہین کی ہے۔جس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال بعید بھی نہیں ہے۔

اس کی وضاحت کی ذیل کی سطور میں ملاحظہ فرمائیں:

حفیظ اللہ،شریف حسین اور الٰہی بخش نامی تین غیر مقلد علمانے غالباً پہلی بار عرس وفاتحہ اور میلاد شریف کے خلاف ایک فتویٰ لکھا تھا، جو مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ دیوبندی علما کی تصدیقات کے ساتھ چار ورق پر مشتمل بعنوان ''فتوی مولود وعرس وغیرہ'' ۱۳۰۲ میں مطبع ہاشمی میرٹھ سے شائع ہوا تھا۔پھر اسی مطبع سے چوبیس صفحات پر مشتمل فتاوی کا ایک مجموعہ بنام ''فتوی میلادشریف یعنی مولودمع دیگر فتاوی'' بھی شائع ہوا تھا،جس میں پہلا فتوی بھی شامل تھا۔

یہ فتوے، اُس استفتا کے جواب میں دیے گئے تھے،جس میں پوچھا گیا تھا کہ فاتحہ دینا،عرس منانا اور میلاد کی مجلس منعقد کرنا نیز اس میں ایسے اشعار پڑھنا جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب وحاضر ہوں، کیسا ہے؟

جواب میں بدعت وناجائز کہنے ہی پر بس نہیں کیا گیا تھا، بلکہ یہ بھی لکھا گیا تھا کہ:

Made with Xodo PDF Reader and Editor

" خطاب جناب فخر عالم علیہ السلام کو کرنا اگر حاضر ناظر جان کر کرے کفر ہے" " حضرت کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا کہ جہاں مولود شریف پڑھا جاتا ہے وہاں تشریف لاتے ہیں شرک ہے، ہر جگہ موجود خدائے تعالیٰ ہے اللہ سبحانہ نے اپنی صفت دوسرے کو عنایت نہیں فرمائی"

اس علاقہ میں چوں کہ زیادہ تر مسلمان شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ کے مرید تھے، جو بارہا ماتھے کی آنکھوں سے اپنے پیر حضرت شیخ المشائخ کو بھی میلاد کی محفل میں شریک ہوتے اور ذوق وشوق کے ساتھ کھڑے ہو کر مخاطب وحاضر کے صیغہ سے: یانبی سلام علیک پڑھتے دیکھ چکے تھے۔ اس لیے ان مریدین کو بڑی تکلیف ہوئی اور انہوں نے حضرت شیخ المشائخ کے نامور خلیفہ حضرت مولانا عبدالسمیع بیدل سے رجوع ہو کر اس کے رد کے لیے اصرار کیا۔

تو آپ نے اس کے رد میں "انوار ساطعه" کے نام سے ایک مبسوط کتاب لکھی ۔جس میں پہلے تو فتوے میں مذکور سوال اور اس کے جواب میں مطابقت نہ ہونے پر مفتی کی گرفت کی اور فرمایا:

"یہ سوال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشعار میں حاضر مخاطب ہوں۔ یہ سوال نہیں کہ مجلس میں حاضر ہونے کا اعتقاد ہو____ اور ظاہر ہے کہ اشعار میں مخاطب حاضر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ شعر ایسے پڑھیں جس میں ضمیریں مخاطب حاضر کی ہوں.... لیکن مفتی صاحب نے

سوال دیگر جواب دیگر جو، چاہا، کہنا شروع کر دیا۔" (انوار ساطعہ مع براہین قاطعہ ص ۴۹ مطبوعہ کتب خانہ اعزازیہ، دیوبند)

پھر جواب اور اس کی دلیل کی طرف رخ کیا۔ جواب میں دعوی کیا گیا تھا کہ "حضرت کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا کہ جہاں مولود شریف پڑھا جاتا ہے وہاں تشریف لاتے ہیں شرک ہے" اور اس پر دلیل دی گئی تھی کہ "ہر جگہ موجود خدائے تعالی ہے اللہ سبحانہ نے اپنی صفت دوسرے کو عنایت نہیں فرمائی" یعنی "ہر جگہ موجود ہونا اللہ تعالی کی صفت خاصہ ہے" جو دراصل دلیل کا پہلا مقدمہ یعنی منطق کی اصطلاح میں صغریٰ ہے، رہا دوسرا مقدمہ یعنی کبریٰ! تو وہ بدیہی ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ کسی دوسرے کے لیے ماننا شرک ہے۔ تو مولانا عبدالسمیع نے پہلا مقدمہ صغری یعنی "ہر جگہ موجود ہونا اللہ تعالی کی صفت خاصہ ہے" اس پر فن مناظرہ کی زبان میں "نقض اجمالی" جسے علم اصول کی اصطلاح میں "مناقضہ" کہا جاتا ہے، "شاہد" کے ساتھ پیش کرتے ہوئے فرمایا:

"خصوصیت کے یہ معنی ہیں: یوجد فیه ولا یوجد فی غیره (یعنی جو اس کے اندر تو پائی جائے مگر اس کے علاوہ کسی اور میں نہ پائی جائے۔) اور روئے زمین پر کل جگہ موجود ہو جانا تو کچھ خاص مخصوص خدا کے ساتھ نہیں۔ تفسیر معالم التنزیل، اور رسالہ برزخ جلال الدین سیوطی اور شرح مواہب علامہ زرقانی میں ہے کہ: "ملک الموت، قابض ہے جمیع ارواح جن وانس وبہائم وجمیع مخلوقات

کا، اور اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے دنیا کو اس کے آگے مثل چھوٹے خوان کے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے مثل طشت کے"....اب خیال کرو کہ ایک آن میں مشرق سے مغرب تک کس قدر چیونٹی، مچھر، کیڑے مکوڑے، چرند، پرند، درند اور آدمی مرتے ہیں اور ملک الموت ہر جگہ موجود (ہو جاتا) ہے۔(انوار ساطعہ مع براہین قاطعہ ص ۵۰)

پھر اس معنی کی کئی حدیثیں نقل کرنے کے بعد لکھا:

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ملک الموت ہر جگہ حاضر ہے۔ بھلا ملک الموت علیہ السلام تو ایک مقرب فرشتہ ہے، دیکھو شیطان ہر جگہ موجود ہے.... علامہ شامی نے اس (یعنی درمختار) کی شرح میں لکھا ہے:

واقدرہ علی ذٰلک کما اقدر ملک الموت علی نظیر ذٰلک۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس بات کی قدرت دیدی ہے جس طرح ملک الموت کو سب جگہ موجود ہونے پر قادر کر دیا (ایضاً ص: ۵۱") اب عالم اجسام محسوسہ میں اس کی مثال سنئے: کوئی آدمی مشرق سے مغرب تک آبادیٔ دنیا کی سیر کرے، جہاں جاوے گا چاند کو موجود پاوے گا اور سورج کو بھی پاوے گا۔ پھر اگر وہ کہے کہ ایک چاند سب جگہ موجود ہے اور ایک سورج سب جگہ موجود تمہارے

قاعدے سے چاہیئے وہ کافر ہو جاوے کہ اس نے چاندکو ہر جگہ موجود کہا۔ حالانکہ تحقیق یہ ہے کہ نہ وہ مشرک ہے نہ کافر پس اسی طرح سمجھو کہ جب سورج سب جگہ موجود ہو کر وہ چوتھے آسمان پر ہے، روح نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو ساتویں آسمان پر علیین میں موجود ہے ،اگر وہاں سے آپ کی نظر مبارک کل زمین پر یا زمین کے چند موضع ومقامات پر پڑ جائے اور ترشح انوار فیضان محمدی سے کل مجالس مطہرہ کو ہر طرف مثل شعاع شمس محیط ہو جائے کیا محال ہے؟...علامہ زرقانی نے ابوالطیب کا شعر شرح مواہب لدنیہ کی فصل زیارت قبر شریف میں نقل کیا ہے: کالشّمس فی وسط السماء الخ یعنی جس طرح سورج آسمان کے بیچ میں ہے اور روشنی اس کی پھیلی ہوئی ہے مشرق سے مغرب تک، اور جس طرح چاند، جہاں سے تو اس کو دیکھے، اسی جگہ سے نور تیری آنکھوں میں بخشے گا (ایضاً ص ۵۲)

پھر زرقانی کے حوالہ سے تذکرہ قرطبی ،امام شعرانی کی میزان الشریعہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تفسیر عزیزی کے حوالوں سے ان کی عبارتیں اور ترجمے نقل کرنے کے بعد لکھا:

''اب فکر کرنا چاہیئے جب چاند، سورج ہر جگہ موجود اور ہر جگہ زمین پر شیطان موجود ہے، اور ملک الموت ہر جگہ موجود ہے تو یہ صفت خاص

خدا کی کہاں ہوئی؟'' (ایضاً ص۵۲)

یعنی ہر جگہ حاضر ہونا خدا کی صفت خاصہ ہوتی، تو خدا کے علاوہ کسی اور میں یہ صفت نہیں پائی جاتی، جب کہ یہ صفت چاند، سورج، ملک الموت، یہاں تک کہ شیطان میں بھی پائی جاتی ہے۔

تو مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگرد مولانا خلیل احمد نے گنگوہی صاحب کے حکم پر انوار ساطعہ کے رد میں براھین قاطعہ لکھی۔

جب مولانا عبدالسمیع صاحب نے نقض اجمالی پیش کیا تھا، تو ارباب براھین قاطعہ پر لازم تھا کہ اس نقض پر منع یا نقض یا معارضہ پیش کرتے، جیسا کہ مناظرہ رشیدیہ میں ہے:

فیجاب فی صورتی النقض والمعارضۃبالمنع اذاکان قابلالہ، اوالنقض ان کان صالحالہ، اوالمعارضۃان کان قابلالھا، الخ۔

ترجمہ: نقض ومعارضہ اگر منع کے قابل ہوں تو منع کے ذریعہ جواب دیا جائے گا، یا نقض کے صالح ہوں تو نقض کے ذریعہ، یا معارضہ کے قابل ہوں تو معارضہ کے ذریعہ۔

مگر یہ نہ کر کے انہوں نے لکھا:

''اقول: عقیدہ اہل سنت کا یہ ہے کہ کوئی صفت حق تعالی کی بندہ میں نہیں

ہوتی اور جو کچھ اپنی صفات کا ظل کسی کو عطا فرماتے ہیں اس سے زیادہ ہرگز کسی میں ممکن نہیں۔ سمع وبصر وعلم وتصرف حق تعالی کا حقیقی ہے اور مخلوق کا مجازی۔ لیس کمثلہ شیٔ الآیۃ پھر جس کو جس قدر کوئی علم وقدرت وغیرہ عطا فرمادیا ہے اس سے زیادہ وہ ہرگز ذرہ بھر بھی نہیں بڑھ سکتا۔ شیطان کو جس قدر وسعت اور ملک الموت کو اور آفتاب وماہتاب کو جس قدر وضع پر بنایا ہے اس سے زیادہ کی ان کو کچھ قدرت نہیں اور زیادہ کوئی ان سے کام نہیں نکلتا۔ (ص ایضا ۵۰) آفتاب وماہتاب کو جو اس ہیئت وسعت نور پر بنایا اور ملک الموت اور شیطان کو جو یہ وسعت علم دی، اس کا حال مشاہدہ اور نصوص قطعیہ سے معلوم ہوا۔ اب اس پر کسی افضل کو قیاس کر کے اس میں مثل یا زائد اس مفضول سے ثابت کرنا کسی عاقل ذی علم کا کام نہیں۔ (ایضاً ص ۵۱)

سوال یہ کہ کس طرح معلوم ہوگا کہ اللہ تعالی نے کس کو کتنا دیا ہے؟ اور کسی طرح معلوم بھی ہو جائے تو اللہ کے دیئے سے زیادہ ماننا، واقع کے خلاف ہوگا نہ کہ شرک ہو جائے گا۔ مثلا چیونٹی کو اللہ تعالیٰ نے عام طور پر دس گرام وزن کھینچنے کی بھی طاقت نہیں دی ہے، اب اگر کوئی کہے کہ وہ پچاس گرام وزن کھینچ لیتی ہے تو یہ واقع کے خلاف ہوگا نہ کہ شرک ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی قد عام طور سے پانچ سے سات فٹ

کا بنایا ہے۔اب اگر کوئی کہے کہ انسان عام طور سے بیس فٹ کے ہوتے ہیں تو یہ واقع کے خلاف ہوگا نہ کہ شرک ہو جائے گا۔ یوں ہی اگر اللہ تعالیٰ نے زید کو کروڑ پتی بنایا ہے اور کوئی اسے ارب پتی کہے، تو یہ واقع کے خلاف ہوگا نہ کہ شرک ہو جائے گا۔اسی طرح اللہ تعالی نے کسی کو ایک کوئنٹل بوجھ اُٹھانے کی طاقت دی ہے۔اب اگر کوئی کہے کہ وہ تو دو کوئنٹل بوجھ اٹھالیتا ہے، تو یہ واقع کے خلاف ہوگا نہ کہ شرک ہو جائے گا۔کیوں کہ شرک تو خدا کے علاوہ دوسرے میں خدا کی صفت خاصہ ماننے کا نام ہے۔[1]

پھر یہ کہ خدا نے جس کو جو دے دیا ہے، اس سے زیادہ دینے پر اسے قدرت ہے یا نہیں؟ قدرت نہ ہو تو عاجز ہو جائے گا، اور خدا عاجز نہیں کہ وہ علی کل شیء قدیر ہے۔اور دینے پر قدرت ہے تو دینا ممکن ہوا، اور خدا کے لیے اپنا شریک بنانا ممکن نہیں۔

پھر صاحب براهین نے لکھا:

"...الحاصل غور کرنا چاہئے کہ شیطان وملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے؟ (ایضاً ۵۱)

اقول: مولانا عبد السمیع نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے محیط زمین کے علم کی بات تو کیا؟ کچھ بھی قیاس سے ثابت نہیں کیا ہے۔ انہوں نے تو بہ حیثیت سائل، نقض پیش کرتے ہوئے اس نقض پر شاہد پیش کیا ہے۔ بھلا آج تک کسی پڑھے لکھے آدمی نے

1- کیونکہ صفت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تحدید پر بھی ثبوت چاہیے - کہ اس سے زیادہ ماننا خلاف واقعہ ہو یا خاص صفت خداوندی ماننے کے لئے نفی خصوصیت ضروری ہے کہ شرک ہو-

شاہد کو قیاس سمجھا ہے؟

صاحب براھین نے مزید لکھا ہے:

شیطان وملک الموت کو یہ وسعت (محیط ارض کا علم) نص سے ثابت ہے فخر عالم کی وسعت (محیط ارض کے) علم کی کونسی نص قطعی ہے؟ کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ (ص ۵۵)

اقول: اس عبارت میں شیطان کے لیے علم ہی کو نہیں، بلکہ علم کی وسعت کو بھی نص سے ثابت مانا گیا، اور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم کی اسی وسعت کا انکار کیا گیا، تو متعین ہو گیا کہ اس عبارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم کم، اور شیطان کے لیے زیادہ مانا گیا۔

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے محیط ارض کے علم کی وسعت ماننے کو شرک کہا گیا، اور شیطان کے لیے محیط ارض کے علم کی وسعت کو مانا گیا۔

تو بلاشبہہ شیطان کو خدا کا شریک مان لیا گیا؛ کیوں کہ جس بات کو کسی مخلوق کے لیے ماننا شرک ہے، وہ بات جس مخلوق کے لیے بھی مانی جائے، شرک ہی رہے گی؛ اس لیے کہ شرک کہتے ہیں خدا کی صفت خاصہ میں دوسرے کے شریک کرنے کو، خواہ وہ دوسرا، کوئی بھی ہو۔

الغرض جب صاحب براھین قاطعہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے محیط ارض کے علم کی وسعت ماننے کو شرک کہا اور شیطان کے لیے محیط ارض کے علم کی وسعت

مانا،تو انہوں نے شیطان کے لیے خدا کی صفت خاصہ کو مان لیا،لہذاان کے نزدیک شیطان خدا کا شریک ہوگیا؛ کہ شرک کہتے ہیں خدا کی صفت خاصہ میں دوسرے کے شریک کرنے کو،خواہ وہ دوسرا کوئی بھی ہو۔

شبہہ اور اس کا ازالہ

شبہہ (۱) یہاں یہ شبہہ نہ کیا جائے کہ ہوسکتا ہے شیطان کے لیے محیط ارض کے علم کی وسعت عطائی طور پر مانی گئی ہو، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ذاتی طور سے ماننے کو شرک کہا گیا ہو؛ کیوں کہ خود براہین قاطعہ ہی کے صفحہ ۲۵، ۲۶ میں ہے:

یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذاتی آپ کو کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ رکھے جیسے جہلا کا یہ عقیدہ ہے۔ اگر یہ جانے کہ حق تعالیٰ اطلاع دے کر حاضر کر دیتا ہے تو شرک تو نہیں مگر بدون ثبوت شرعی کے اس پر عقیدہ درست بھی نہیں۔ اور بدون حجت ایسی بات کو عقیدہ کرنا موجب معصیت کا ہے۔ اب ظاہر ہو گیا کہ کوئی محدث وفقیہ وصوفی متقی مشرک نہیں، مگر جس کا عقیدہ مؤلف کی تحریر کے موافق ہوگا، البتہ وہ مشرک ہے۔

ازالۂ شبہہ (۱) شبہہ نہ کئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ شرعی طور پر صفت کی دو قسمیں ہیں: (۱) صفت ذاتی، یعنی اصلی حقیقی (۲) صفت عطائی، یعنی ظلی مجازی۔

صفت ذاتی، وہ صفت ہے جس کا وجود موصوف کی ذات کے اقتضا سے ہو، کسی کی عطا سے نہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کے صفات، کہ جس طرح اس کی ذات (وجود) کسی کی عطا سے نہیں، اسی طرح اس کے صفات بھی کسی کی عطا سے نہیں۔ صفت ذاتی سے مخلوق کا متصف ہونا عقلاً وشرعاً محال ہے۔ لہٰذا جو غیرِ خدا کے لیے صفت ذاتی کا قائل ہو، وہ

مشرک ہے، مسلمان نہیں۔

صفت عطائی، وہ صفت ہے جس کا وجود موصوف کی ذات کے اقتضا سے نہ ہو، بلکہ دوسرے کی عطا سے ہو، جیسے بندوں کے صفات؛ کیوں کہ جب بندوں کا وجود ہی خدا کی عطا کے بغیر نہیں ہے، تو ان کے صفات کیسے خدا کی عطا کے بغیر ہو جائیں گے؟ صفت عطائی سے خدائے پاک کا متصف ہونا عقلا وشرعا ہر طرح محال ہے۔ کون ہے جو خدا کو کچھ عطا کرے؟ لہٰذا جو خدا کے لیے صفت عطائی کا قائل ہو، وہ بھی کافر ہے ،مسلمان نہیں۔

صفت کی یہ تقسیم علمائے دیوبند کو بھی تسلیم ہے: صاحب براھین لکھتے ہیں:

> سمع وبصر وعلم وتصرف حق تعالیٰ کا حقیقی ہے اور مخلوق کا مجازی۔ لیس کمثلہ شیٔ (براہین قاطعہ ۵۰)

مولانا اشرف علی تھانوی تتمہ فتاوی امدادیہ ج۴ص۲۳۳ پر لکھتے ہیں:

> غیب کے دو معنی ہیں حقیقی اور اضافی۔ حقیقی وہ ہے جس کے علم کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ یہ خاص ہے حق تعالی کے ساتھ، اور عبد کے لیے اس کا حصول محال شرعی وعقلی ہے الخ۔

پھر صفت عطائی کی دو قسمیں ہیں:

(الف) صفت بلا واسطہ، جیسے لکھتے وقت لکھنے والے کی انگلیوں کی حرکت۔

(ب) صفت بالواسطہ، جیسے لکھتے وقت قلم کی حرکت۔

صفت عطائی بلا واسطہ کو عرف میں صفت ذاتی اور صفت بالذات بھی کہتے ہیں۔لوگ کہتے ہیں: فلاں صاحب میں خاندانی وجاہت کے علاوہ ذاتی خوبیاں بھی بہت ہیں۔یا۔فلاں صاحب میں جو کچھ ہے، وہ خاندانی وجاہت ہی ہے، ذاتی خوبی کچھ نہیں۔اسی معنی کے اعتبار سے دار العلوم دیوبند کے بانی مولانا قاسم نانوتوی نے اپنی کتاب تحذیر الناس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بالذات اور خاتم بالذات کہا ہے۔یہ صفتِ ذاتی، اس صفتِ عطائی کی بالمقابل نہیں جو خدا کی عطا کردہ ہے، بلکہ اسی کی ایک قسم ہے۔

دیوبندی حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صفت عطائی کی پہلی قسم یعنی بلاواسطہ، جس کو ذاتی اور بالذات بھی کہتے ہیں، تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ پاکستان کے دیوبندی عالم مولانا سرفراز صاحب اپنی کتاب تنقید متین صفحہ ۱۹۳ پر لکھتے ہیں:

> یہ دعوی بے بنیاد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر نہیں عطائی طور پر علم غیب حاصل تھا۔

اور نہ صرف یہ کہ تسلیم نہیں کرتے، بلکہ تسلیم کرنے کو شرک بھی کہتے ہیں، سرفراز صاحب ہی نے ''دل کا سرور'' کی پشت پر اپنی ایک کتاب کے اشتہار میں لکھا ہے:

> آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ذاتی اور عطائی ہر طرح علم غیب ماننا شرک ہے(بحوالۂ توضیح البیان لخزائن العرفان ص ۳۷)

شاہ اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان مطبوعہ مجتبائی دہلی کے ص ۷ پر لکھا ہے:

پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے خواہ اللہ کے دینے سے غرض اس عقیدے سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔

براھین قاطعہ کی مذکورہ بالا اس عبارت ــــ ''یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذاتی آپ کو کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ رکھے جیسے جہلا کا یہ عقیدہ ہے'' ــــ میں لفظ ــــ ''ذاتی'' ــــ سے یہی، یعنی عطائی کی پہلی قسم جو بلا واسطہ اور ذاتی بھی کہلاتی ہے، با عطائے رب مراد ہے؛ کیوں کہ ص ۴۹ میں لکھا ہے:

تمام امت کا یہ اعتقاد ہے کہ جناب فخر عالم علیہ السلام کو اور سب مخلوقات کو جس قدر علم حق تعالیٰ نے عطا کر دیا اور بتلا دیا اس سے ایک ذرہ بھی زیادہ کا علم ثابت کرنا شرک ہے۔

دیکھئے یہاں گفتگو دینے اور عطا کرنے ہی میں ہے۔

ص ۵۶ میں لکھا ہے:

...پس اعلیٰ علیین میں روح مبارک علیہ السلام کی تشریف رکھنا اور ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علم آپ کا ان امور میں ملک الموت کے برابر ہو چہ جائے کہ زیادہ''

یہاں ارباب براھین قاطعہ یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ ''افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علم آپ کا ان امور میں ذاتی ہو'' بلکہ زیادہ اور برابر ہونے کی نفی

کر رہے ہیں۔تو کیا علم ذاتی زیادہ یا برابر ہو، جب ہی شرک ہوگا؟ کم ہوتو شرک نہیں ہوگا؟؟ بلکہ علم عطائی کی ہی باشاید جس کو انھوں نے ملک موشیطان کے لئے تو عطائی مانا مگر اعلم الخلق صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شرک

پھر ص ۵۶ ہی میں لکھا ہے:

...جو حکایات اولیاء اللہ کی مولف نے لکھی ہیں تو اول تو یہ حکایات حجت شرعیہ مثبت حکم کی نہیں۔

یہاں یہ نہیں لکھا کہ ”یہ حکایات علم عطائی سے متعلق ہیں، علم ذاتی سے نہیں“۔تو کیا حکایات علم ذاتی کے ثبوت کے لیے ہی حجت شرعیہ نہیں، علم عطائی کے ثبوت کے لیے حجت شرعیہ ہیں؟

اسی صفحہ پر لکھا ہے:

اور بعد تسلیم کے جواب یہ ہے کہ ان اولیاء کو حق تعالی نے کشف کر دیا ان کو یہ حضور علم حاصل ہو گیا۔اگر اپنے فخر عالم علیہ السلام کو بھی لاکھ گونہ اس سے زیادہ عطا فرمادے ممکن ہے مگر ثبوت فعلی اس کا کہ عطا کیا ہے کس نص سے ہے کہ اس پر عقیدہ کیا جاوے اور مجلس مولود میں خطاب حاضر کیا جاوے۔

یہاں صاف لکھا ہے کہ عطا فرمادے ممکن ہے، مگر عطا کر دینے کا ثبوت نہیں ہے۔کیا علم ذاتی کا عطا کیا جانا ممکن ہے؟

پھر اسی صفحہ میں لکھا ہے:

اس امر کا محض امکان سے تو کام نہیں چلتا بالفعل ہونا چاہئے اور ثبوت

ہو جانا نص سے واجب ہے۔ بلا عطائے رب

کیا مخلوق کے لیے علم ذاتی بھی نص سے ثابت ہوسکتا ہے؟ اور کیا ذاتی طور پر محیط ارض کے علم کی وسعت مانی جائے جبھی شرک ہوگا؟ کیا ذاتی طور پر ایک ذرہ کا بھی علم ماننے سے آدمی مشرک نہیں ہو جائے گا؟

پھر بالفرض لفظ ذاتی سے یہاں صاحب براهین کی مراد عطائی کی قسم اول نہیں، خدا کی عطا کے بغیر ہی ہو، تو جب انہوں نے پہلے شیطان کے لیے محیط ارض کے عطائی علم کی وسعت تسلیم کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے متعین طور پر اسی عطائی علم کی وسعت ماننے کو شرک کہہ دیا، تو بعد میں ان کا یہ کہنا کہ ہم نے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے علم سے متعلق ذاتی علم ماننے کو شرک کہا ہے، قابل قبول ہوسکتا ہے؟ کوئی خدا کے وجود کا انکار کر دے اور بعد میں کہہ دے کہ میں نے حقیقی وجود کا نہیں، ظلی وجود کا انکار کیا ہے، تو کیا تسلیم کر لیا جائے گا؟

اب ذرا براہین قاطعہ اور اس کی صفائی میں المهند کی عبارتوں کو ملا کر دیکھئے تو دن کے اجالے کی طرح واضح ہو جائے گا کہ دل میں چور نہیں تھا تو علماے دیوبند کی پوری کمیٹی نے متفقہ طور پر یہ کارستانی کیوں کی؟

براهین قاطعه کی متنازع فیہ اصل عبارت

شیطان وملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف

نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔شیطان وملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔

حسام الحرمین میں اس کا عربی ترجمہ

ان هذه السعة فی العلم ثبتت للشیطان وملک الموت بالنص وای نص قطعی فی سعة علم رسول الله صلی الله علیه وسلم حتی ترد به النصوص جمیعا ویثبت شرک۔

اس عربی عبارت کا اردو ترجمہ

شیطان وملک الموت کے لیے یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ مسعود شاہد۔

المهند کی وہ عبارت جس کے تعلق سے کہا جاتا ہے کہ حسام الحرمین میں جو ترجمہ کیا گیا تھا وہ صحیح نہیں تھا اس لیے علمائے حرمین کے سامنے یہ صحیح ترجمہ پیش کیا گیا:

لاتورث نقصا مافی اعلمیته علیه السلام بعدماثبت انه

اعلم الخلق بالعلوم الشريفة اللائقة بمنصبه الاعلى
كما لا يورث الاطلاع على اكثر تلك الحوادث الحقيرة
لشدة التفات ابليس اليها شرف او كمالا علميا فيه لانه
ليس عليها مفار الفضل و الكمال و من ههنا لا يصح ان يقال
ان ابليس اعلم من سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم
كما لا يصح ان يقال لصبى علم بعض الجزئيات انه اعلم
من عالم متبحر محقق فى العلوم و الفنون الذى غابت عنه
تلك الجزئيات ولقد تلونا عليك قصة الهدهد مع
سليمان على نبينا وعليه السلام وقوله انى احطت بما لم
تحط به ودواوين الحديث ودفاتير التفاسير مشحونة
بنظائرها المتكاثرة المشهورة بين الانام وقد اتفق الحكماء
على ان افلاطون وجالينوس وامثالهما من اعلم الاطباء
بكيفيات الادوية واحوالها مع علمهم ان ديدان
النجاسة اعرف باحوال النجاسة وكيفياتها فلم تضر عدم
معرفة افلاطون وجالينوس هذه الاحوال الردية فى
اعلميتهما ولم يرضى احد من العقلا والحمقا بان يقول ان
الديد ان اعلم من افلاطون مع انها اوسع علما من افلاطون

باحوال النجاسة ومبتدعة ديارنايثبتون للذات الشريفة النبوية عليها الف الف تحية وسلام جميع علوم الاسافل الاراذل والافاضل الاكابر قائلين انه عليه السلام لما كان افضل الخلق كافة فلابدان يحتوى على علومهم جميعها كل جزئى وجزئى وكلى كلى ونحن انكرنااثبات هٰذاالامر بهٰذاالقياس الفاسد بغيرنص من النصوص المعتدة بهاالاترى ان كل مومن افضل واشرف من ابليس فيلزم على هٰذاالقياس ان يكون كل شخص من احادالامة حاوياعلى علوم ابليس ويلزم على ذٰلک ان يكون سليمان على نبيناوعليه السلام عالمابماعلمه الهدهد وان يكون افلاطون وجالينوس عارفين بجميع معارف ديدان واللزوم باطلة باثرها. وهٰذاخلاصة ماقلناه. فى البراهين القاطعه۔

خود علماے دیوبند نے جو اس کا اردو ترجمہ کیا ہے، وہ یہ ہے۔

کسی جزئی حادثہ حقیر کا حضرت کو اس لیے معلوم نہ ہونا کہ آپ نے اس کی جانب توجہ نہیں فرمائی، آپ کے اعلم ہونے میں کسی قسم کا نقصان نہیں پیدا کرسکتا جب کہ ثابت ہو چکا کہ آپ ان شریف علوم

میں جو آپ کے منصب اعلی کے مناسب ہیں ساری مخلوق سے بڑھے ہوئے ہیں جیسا کہ شیطان کو بہتر ے حقیر حادثوں کی شدت التفات کے سبب مل جانے سے اس مردود میں کوئی شرافت اور علمی کمال حاصل نہیں ہوسکتا کیوں کہ ان پر فضل وکمال کا مدار نہیں ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ یوں کہنا کہ شیطان کا علم سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے ہرگز صحیح نہیں۔جیسا کہ کسی ایسے بچہ کو جسے کسی جزئی کی اطلاع ہوگئی ہے یوں کہنا صحیح نہیں کہ فلاں بچہ کا علم اس متبحر و محقق مولوی سے زیادہ ہے جس کو جملہ علوم وفنون معلوم ہیں مگر یہ جزئی معلوم نہیں اور ہم ہدہد کا سیدنا سلیمان علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والا قصہ بتا چکے ہیں اور یہ آیت پڑھ چکے ہیں کہ مجھے وہ اطلاع ہے جو آپ کو نہیں اور کتب تفسیر وحدیث اس قسم کی مثالوں سے لبریز ہیں نیز حکما کا اس پر اتفاق ہے کہ افلاطون وجالینوس وغیرہ بڑے طبیب ہیں جن کو دواؤں کی کیفیت وحالات کا بہت زیادہ علم ہے۔حالانکہ یہ بھی معلوم ہے کہ نجاست کے کیڑے نجاست کی حالتوں اور مزے اور کیفیتوں سے زیادہ واقف ہیں تو افلاطون وجالینوس کا ان ردی حالت سے ناواقف ہونا ان کے اعلم ہونے کو مضر نہیں اور کوئی عقل مند بلکہ احمق بھی یہ کہنے پر راضی نہ ہوگا کہ کیڑوں کا علم افلاطون سے زیادہ ہے حالانکہ ان

نجاسات کے احوال سے افلاطون کی بہ نسبت زیادہ واقف ہونا یقینی امر ہے۔اور ہمارے ملک کے مبتدعین سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تمام شریف وادنی واعلی واسفل علوم ثابت کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق سے افضل ہیں،تو ضرور سب ہی کے علوم جزئی ہوں یا کلی،آپ کو معلوم ہوں گے اور ہم نے بغیر کسی معتبر نص کے محض اس فاسد قیاس کی بنا پر اس علم کلی وجزئی کے ثبوت کا انکار کیا۔ذرا غور فرمائیے کہ ہر مسلمان کو شیطان پر فضل وشرف حاصل ہے پس اس قیاس کی بنا پر لازم آئے گا کہ ہر امتی بھی شیطان کے ہتھ کنڈوں سے آگاہ ہو اور لازم آئے گا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر ہو اس واقعہ کی جسے ہدہد نے جانا۔اور افلاطون وجالینوس واقف ہوں کیڑوں کی تمام واقفیتوں سے اور سارے لازم باطل ہیں چنانچہ مشاہدہ ہو رہا ہے۔یہ ہمارے قول کا خلاصہ ہے جو براہین قاطعہ میں بیان کیا ہے۔

براھین قاطعہ کی اصل عبارت تین سطروں میں ہے،حسام الحرمین میں اس کا عربی ترجمہ تین سطروں سے کم ہی میں آ گیا ہے۔مگر المھند میں ترجمہ کے نام پر جو عربی عبارت لکھی گئی ہے،وہ سترہ سطروں میں لکھی گئی ہے۔پھر براھین قاطعہ میں جو عبارت ہے،اس کا عربی ترجمہ جو بھی کرے گا،وہی ہوگا جو حسام الحرمین میں

ہے۔ اور حسام الحرمین میں جو عربی عبارت ہے، اس کا اردو ترجمہ جو بھی کرے گا، وہ، وہی ہوگا جو براھین قاطعہ میں ہے۔ اس کے برخلاف المهند کی عربی عبارت کا جو اردو ترجمہ خود علمائے دیوبند نے اکیس سطروں میں کیا ہے، اس میں براھین قاطعہ کی متنازع عبارت کا نام ونشان تک نہیں ہے۔

کیا اس سے ثابت نہیں ہو جاتا کہ عربی ترجمہ کرنے میں خیانت کر کے علمائے حرمین کو دھوکا حسام الحرمین میں نہیں دیا گیا ہے، بلکہ علمائے دیوبند نے خیانت کر کے اپنی متفقہ کتاب المهند میں علمائے حرمین کو دھوکا وفریب دیا ہے؛ کیوں کہ وہ حضرات اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ متنازع عبارتوں کا صحیح ترجمہ کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہی حکم جو حسام الحرمین میں ہے کہ ایسا لکھنے والے مسلمان نہیں، دائرۂ اسلام سے خارج ہیں، اس میں بھی آجائے گا۔

مولانا اشرف علی تھانوی کا کفر

(۴) علمائے ''دیوبند'' کے جامع المجددین مولانا اشرف علی تھانوی نے ''حفظ الایمان'' کی بعض عبارتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو جانوروں کے علم سے تشبیہ دے کر دونوں کو یکساں قرار دیا ہے، اور متعین یعنی صریح ومفسر طور پر جانوروں کے علم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا مساوی وبرابر بتا کر آپ کی کھلی توہین کی ہے جس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال بعید بھی نہیں ہے۔

چنانچہ ایک صاحب نے مولانا اشرف علی تھانوی سے استفتا کیا کہ:

''زید کہتا ہے کہ ... علم غیب کی دو قسمیں ہیں: بالذات، اس معنی کر عالم الغیب خدائے تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔ اور بواسطہ، اس معنی کر رسول اللہ ﷺ عالم الغیب تھے۔ زید کا یہ استدلال اور عقیدہ کیسا ہے ؟ (حفظ الایمان مع بسط البنان ص۲ مطبوعہ کتب خانہ اشرفیہ دیوبند)

تھانوی صاحب نے اس کے جواب میں حفظ الایمان نامی کتاب تحریر کی اور لکھا کہ:

''زید کا عقیدہ اور قول سرتاسر غلط اور خلافِ نصوص شرعیہ ہے، ہرگز ان کا قبول کرنا کسی کو جائز نہیں۔ زید کو چاہئے کہ توبہ کرے اور اتباع سنت اختیار کرے'' (ایضاً ص ۷)

تھانوی صاحب نے اپنے اس دعوے پر دو دلیلیں قائم کیں، پہلی دلیل قول: یعنی لفظ ''عالم الغیب'' کے اطلاق کی ممانعت سے متعلق دی۔ چنانچہ لکھا:

''مطلق غیب سے مراد اطلاقات شرعیہ میں وہی غیب ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو محتاج قرینہ ہے، تو بلا قرینہ مخلوق پر علم غیب کا اطلاق موہم شرک ہونے کی وجہ سے ممنوع و ناجائز ہوگا قران مجید میں لفظ

راعنا کی ممانعت اور حدیث مسلم میں عبدی وامتی و ربّی کہنے سے نہی وارد ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عالم الغیب کا اطلاق جائز نہ ہوگا۔ (ایضاص ۷)

دوسری دلیل، زید کے عقیدہ: یعنی نبی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب ماننے کی ممانعت سے متعلق دی۔ چنانچہ لکھا:

''پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے، ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات کے لئے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہئے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے۔ پھر اگر زید اس کا التزام کرلے کہ ہاں میں سب کو عالم الغیب کہوں گا تو پھر

غیب کو من جملہ کمالات نبویہ کیوں شمار کیا جاتا ہے جس امر میں مومن بلکہ
انسان کی بھی خصوصیت نہ ہو وہ کمالات نبویہ سے کب ہو سکتا ہے اور التزام
نہ کیا جاوے تو نبی اور غیر نبی میں وجہ فرق بیان کیا جانا ضرور ہے
اور اگر تمام علوم غیبیہ مراد ہیں اس طرح کہ اس کی ایک فرد بھی خارج نہ
رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی سے ثابت ہے۔ دلائل نقلیہ بے
شمار ہیں، خود قرآن مجید میں آپ سے نفی کرنا علم غیب کی آیت:
ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر..
میں صاف صاف مذکور ہے... دلیل عقلی یہ کہ علوم غیر متناہی ہیں اور
غیر متناہیہ کا اجتماع محال ہونا ثابت و مقرر ہو چکا ہے'' (ایضاص ٦)

تھانوی صاحب نے اس دوسری دلیل سے زید کے اس عقیدہ کا رد کرنا چاہا ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالواسطہ علم غیب ہے؛ کیوں کہ سائل نے تو خود ہی یہ کہہ کر کہ:

''علم غیب کی دو قسمیں ہیں: بالذات، اس معنی کر عالم الغیب
خدائے تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا''

بلا واسطہ علم غیب کی نفی کر دی ہے ــــــ اور بالواسطہ کل علم غیب، جتنا بھی ہو، متناہی
ہے۔ غیب، تو غیب ہے، شہادت کا علم بالواسطہ بھی، غیر متناہی نہیں ہو سکتا ــــــ اور
جواب چوں کہ سوال کے مطابق ہوتا ہے، اس لیے تھانوی صاحب نے جس علم کی تقسیم ''
کل'' اور ''بعض'' کہہ کر کی ہے، وہ، وہی علم ہے جو متناہی اور مخلوق کے لیے ممکن الحصول

ہے، محال نہیں۔ اس لیے تھانوی صاحب کا کل علم غیب بالواسطہ کو عقلا و نقلا باطل قرار دینا اور یہ کہنا کہ:

عقلی دلیل یہ کہ علوم غیر متناہی ہیں اور غیر متناہیہ کا اجتماع محال ہونا ثابت و مقرر ہو چکا ہے۔(ایضاً ص۹)

کھلا ہوا مغالطہ ہے؛ کیوں کہ غیر متناہی ، وہ علوم ہیں، جو بلا واسطہ ہیں اور اسی کا اجتماع محال ہے، متناہی علوم، جو مخلوق کے لیے ممکن الحصول ہے، اس کا اجتماع محال نہیں۔اسی طرح یہ کہنا کہ:

دلائل نقلیہ بے شمار ہیں، خود قرآن مجید میں آپ سے نفی کرنا علم غیب کی آیت: ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر۔ میں... صاف صاف مذکور ہے۔

پر فریب مغالطہ ہے؛ کیوں کہ آیت کریمہ میں جس غیب کی بات کہی گئی ہے، وہ غیب بالواسطہ نہیں، بلا واسطہ ہے، جو غیر متناہی کو مستلزم ہے۔

اسی طرح بعض علم غیب بالواسطہ کی تخصیص نہ ماننا اور یہ کہنا کہ:

کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہئے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے۔(ایضاً ص۸)

صریح دھوکا ہے؛ کیوں کہ دوسرے سے مخفی جس بات کا علم کسی کو ہوتا ہے، اس کا علم غیب ہونا ضروری نہیں؛ کیوں کہ غیب کہتے ہیں اس مخفی چیز کو جو نہ حس سے معلوم ہو سکے

Made with Xodo PDF Reader and Editor

نہ بداہت عقل اس کی مقتضی ہو۔ تفسیر بیضاوی میں ہے: الخفی الذی لایدرکہ الحس ولایقتضیه بداهة العقل (ص ۳۸) غیب کا علم خدا کو ہے، اور وہ صرف انبیا کو عطا ہوتا ہے۔ انبیا کے علاوہ اگر کسی کو ہوتا ہے تو انبیا ہی کی وساطت سے۔ قرآن کا ارشاد ہے: وما کان الله لیطلعکم علی الغیب ولکن الله یجتبی من رسله من یشاء (آل عمران/ ۱۷۹) (ترجمہ) اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دے دے، ہاں! اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔ علم الغیب فلایظهر علی غیبه احدا الامن ارتضی من رسول (جن/ ۲۶، ۲۷) (ترجمہ) غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

علامہ سلیمان ندوی نے سیرۃ النبی ج ۴ ص ۵۸ میں لکھا ہے:

ان دو آیتوں سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالی اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو غیب کی باتوں کی اطلاع دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن آیتوں میں غیب دانی کی کلیتاً اور قطعاً نفی کی گئی ہے، اس سے مراد ذاتی اور حقیقی علم ہے یعنی خدا کے سوا بالذات کسی کو غیب کا علم نہیں، البتہ خدا کے واسطہ اور ذریعہ سے اور اس کی تعلیم واطلاع سے پیغمبروں کو اس کا علم حاصل ہوتا ہے... قرآن مجید کی اصطلاح میں علم غیب کس کو کہتے ہیں؟ قرآن مجید کے اس لفظ کے استعمال کے تمام مواقع پر غور کرنے سے اس کے

اجمالی اور تفصیلی دونوں معنی واضح ہوتے ہیں۔ اجمالاً اس کا اطلاق ان امور پر ہوتا ہے جن کا علم انسان اپنے علم کے عام اور طبعی وفطری ذریعوں سے حاصل نہیں کرسکتا... الغرض اجمالاً علم غیب اسی غیبی طریقۂ علم کا نام ہے جو عام انسانوں کو نہیں ملا ہے۔

کیا غضب ہے کہ جس علم کے بارے میں علامہ سلیمان ندوی کہیں کہ: ''قرآن مجید میں اس کے استعمال کے تمام مواقع پر غور کرنے سے واضح ہوا کہ یہ عام انسانوں کو نہیں ملا'' خود خالق کائنات فرمائے کہ: ''میں نے اپنے برگزیدہ پیغمبروں کے سوا کسی کو بھی، چاہے وہ، فاروق وصدیق ہی کیوں نہ سہی، براہ راست نہیں دیا'' اسی علم پاک کو تھانوی صاحب تمام جانوروں تک کے لیے تسلیم کر رہے ہیں اور نبی وغیر نبی میں فرق نہ مان کر سب سے برگزیدہ رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے علم کے مشابہ قرار دے رہے ہیں۔

بہرکیف! تھانوی صاحب کی یہ (دوسری) دلیل منطقی طور پر قیاس استثنائی ہے، جس میں رفع تالی کے ذریعے رفع مقدم کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان کی یہ عبارت:

''آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد کل علوم غیبیہ ہیں یا بعض''

(حفظ الایمان ص ۸)

قضیہ شرطیہ متصلہ، اس قیاس استثنائی کا پہلا مقدمہ ہے، جس میں: ـــــــ ''آپ کی

ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو'' ـــــ مقدم ہے۔اور ''اس غیب سے مراد بعض علم غیب ہے یا کل غیب'' ـــــ منفصلہ حقیقیہ تالی۔

تالی چونکہ منفصلہ حقیقیہ ہے، جس کے دو اجزاء ہیں: (۱) بعض غیب (۲) کل غیب۔تو رفع مقدم یعنی: ـــــ ''آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو'' ـــــ کی نفی کے لیے دونوں اجزاء کا رفع یعنی: ''بعض غیب اور کل غیب'' کی نفی ضروری تھی، لہذا دوسرے جز کا رفع یعنی کل غیب کی نفی کے لیے کہا:

''اور اگر تمام علوم غیب مراد ہیں، اس طرح کہ اس کی ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی وعقلی سے ثابت ہے'' (حفظ الایمان ص ۸)

پہلے جز کا رفع یعنی ''بعض غیب کی نفی'' کے لئے پھر قیاس استثنائی پیش کیا اور لکھا:

''اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس مین حضور کی کیا تخصیص ہے۔ایسا علم غیب تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لیے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہئے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے

(ایضاً ص ۸)

اس عبارت میں ـــــ ''بعض علوم غیبیہ مراد ہیں'' ـــــ مقدم ہے، اور ـــــ ''تو چاہئے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے'' ـــــ تالی۔اور مقدم وتالی مل کر قضیہ شرطیہ منفصلہ

ہوکراس قیاس استثنائی کا پہلا مقدمہ ہے۔

استثنا جس میں رفع تالی تھا یعنی: ''سب کو عالم الغیب نہیں کہا جاتا'' بدیہی ہونے کے وجہ سے محذوف کردیا۔

اس طرح جب قیاس استثنائی کا رفعِ تالی، دونوں ہی اجزا کے اعتبار سے کردیا،تو لامحالہ نتیجہ رفع مقدم نکلے گا کہ ــــ ''آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا صحیح نہیں''ــــ اسی لیے لکھا:

''اجوبۂ مذکورہ سے واضح ہو گیا کہ زید کا عقیدہ اور قول سرتاسر غلط اور خلاف نصوص شرعیہ ہے'' (ایضاً ص ۹)

پھر پہلے جز کا رفع یعنی ''بعض علم غیب'' کی نفی کے لئے پیش کردہ قیاس استثنائی کا پہلا مقدمہ یعنی: ــــ ''اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو چاہئے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے'' ــــ قضیہ شرطیہ متصلہ لزومیہ ہے۔ مگر لزوم بدیہی نہیں ہے،تو اس کو ثابت کرنا مولانا تھانوی کے ذمہ واجب تھا۔ اسی لیے تھانوی صاحب نے اثبات لزوم کے لیے لکھا:

''اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے، ایسا علم غیب تو زید وعمر بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے'' (ایضاً ص ۸)

اور اثبات لزوم کے لیے پیش کردہ مولانا تھانوی کی یہ عبارت، نہ قرآن کریم کی کسی

آیت کا معنی ہے، نہ حدیث کا ترجمہ، اور نہ ہی اجماع امت کی نقل، تو لامحالہ یہ عبارت قیاس فقہی ہوگی۔

اسی طرح یہ عبارت، منطقی اعتبار سے نہ تو قیاس اقترانی ہے، نہ قیاس استثنائی، اور نہ ہی استقرا، تو لامحالہ تمثیل ہوگی۔ اور قیاس فقہی کہیے یا تمثیل منطقی، اس میں تشبیہ ہوتی ہے؛ کیونکہ قیاس فقہی یا تمثیل منطقی کے ذریعہ علتِ مشترکہ وجہ شبہ کی بنیاد پر مقیس ومشبہ کو مقیس علیہ ومشبہ بہ سے تشبیہ دے کر مقیس ومشبہ میں، مقیس علیہ ومشبہ بہ کا حکم ثابت کیا جاتا ہے۔

شرح تھذیب میں ہے:

تشبیہ جزئی بجزئی فی معنی مشترک بینھمالیثبت فی المشبہ الحکم الثابت فی المشبہ بہ المعلل بذٰلک المعنی کمایقال النبیذحرام کالخمر وعلۃ حرمۃ الخمر الاسکاروھوموجودفی النبیذ۔

ترجمہ: تمثیل، دو جزئیوں میں معنیٰ مشترک کی وجہ سے ایک کو دوسرے سے تشبیہ دے کر مشبہ بہ کا حکم مشبہ میں ثابت کرنے کا نام ہے۔ جیسے کہا جائے کہ تاڑی حرام ہے جیسے شراب حرام ہے؛ کیوں کہ شراب کی حرمت نشہ ہونا ہے اور نشہ کی صفت تاڑی میں بھی پائی جاتی ہے۔

قطبی میں ہے:

والفقهاء يسمونه قياساوالجزئی الاول فرعاوالثانی اصلا والمشترک علة وجامعا کمایقال: العالم مؤلف فهوحادث کالبیت یعنی البیت حادث لانه مؤلف وهذه العلة موجودة فی العالم فیکون حادثا کالبیت۔

ترجمہ: فقہااس کوقیاس کہتے ہیں۔پہلی جزئی فرع کہلاتی ہےاوردوسری جزئی اصل۔اورمعنیٔ مشترک کوعلت اورجامع کہتے ہیں۔جیسے کہاجائے کہ کائنات مرکب ہےتو حادث ہوگی جیسے مکان؛ کیوں کہ مکان مرکب ہونے کی وجہ سے حادث ہے۔اورمرکب ہونے کی صفت کائنات میں بھی پائی جاتی ہےتووہ بھی حادث ہوگی۔

دیوبندی فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی کےاستاذ مولانا ابوسلمان زرمحمد نے انوار التہذیب،شرح شرح تہذیب میں لکھاہے:

جوجزئی مشابہ ومشارک ہوتی ہے اس کوفرع، اورجوجزئی مشبہ بہ اورمشارک لہ ہو،اس کواصل کہتے ہیں اورمعنیٔ مشترک کوعلت وجامع کہتے ہیں۔اس تمثیل کوفقہا قیاس کہتے ہیں۔

حفظ الایمان کی اس عبارت میں تھانوی صاحب نے بقول زید نبی کریم ﷺ کا یہ حکم کہ ''آپ کے لیےعلم غیب ثابت ہے'' اپنے گمان میں وجہ تشبیہ واشتراک علت مان کرجانوروں کے لیےبھی ثابت کیا ہے، چنانچہ لکھا ہے:

"تو چاہیئے کہ سب کو (مذکورہ جانوروں کو بھی) عالم الغیب کہا جائے"

(حفظ الایمان ص ۸)

تولامحالہ تشبیہ ہوئی۔ اور حضور نبی کریم ﷺ کا علم پاک مقیس علیہ ومشبہ بہ، حیوانات و بہائم کا علم مقیس ومشبہ ،بعضیت وجہ تشبیہ وعلت مشترکہ، اور لفظ 'ایسا' حرف "تشبیہ" ٹھہرا۔

اور بعضیت چونکہ کیفیت، نہیں کمیت (مقدار) ہے۔ اس لیے مطلب یہ ہوا کہ معاذاللہ! جمیع حیوانات وبہائم کو اتنا علم ہے جتنا حضور نبی کریم ﷺ کو ہے یعنی حیوانات وبہائم کو حضور ﷺ کے برابر علم ہے ۔معاذاللہ! ـــــــ اسی لیے دیوبندی فاضل مرتضی حسن صاحب نے توضیح البیان مطبوعہ مطبع قاسمی دیوبند میں لکھا:

اس (ایسا) کے معنی اس قدر اور اتنا کے بھی آتے ہیں جو اس جگہ (حفظ الایمان میں) متعین ہیں" (ص ۸) ۔"عبارت متنازع فیھا میں لفظ ایسا بہ معنی اس قدر اور اتنا ہے" (ایضاً ص ۱۷)

فاضل دیوبند مولانا منظور صاحب نے "فتح بریلی کا دلکش نظارہ" میں لکھا:

"حفظ الایمان کی اس عبارت میں بھی "ایسا" اتنا کے معنی میں ہے"۔ (ص ۳۲) "حفظ الایمان کی عبارت میں ...وہ (لفظ ایسا)...اتنا کے معنی میں ہے۔" (ایضاص ۴۰) "حفظ الایمان کی عبارت میں وہ...اتنا کے معنی میں مستعمل ہے" (ایضاً ۴۸)

لہذا - تخصیص کا نہ ہونا سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے - بعض علوم غیبیہ میں یہ تھانوی کا عقیدہ ہے - تو جس طرح بعض علوم ثابت ہیں سرکار پاک علیہ السلام کو ایسا ہی تمام مخلوق رذیلہ کو

شبہات اوران کاازالہ

شبہہ (۱) یہاں یہ شبہہ نہ ہو کہ مولانا اشرف علی تھانوی نے زید کو الزام دیا ہے کہ تمہارے بقول حضور ﷺ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا صحیح ہو تو لازم آئے گا کہ جمیع حیوانات و بہائم کا علم حضور ﷺ کے علم کے برابر ہو جائے، نہ یہ کہ مولانا تھانوی نے جمیع حیوانات و بہائم کے علم کو حضور ﷺ کے علم کے برابر مانا ہے۔ کیوں کہ الزام، الزام دینے والے کا مذہب نہیں ہوتا ہے۔

ازالۂ شبہہ (۱) شبہہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تھانوی صاحب نے بقول زید بعض علم غیب کی وجہ سے حضور ﷺ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کئے جانے کو صحیح قرار دیئے جانے کی تقدیر پر یہ لزوم بتایا ہے کہ:

''تو چاہئے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے'' (ایضاً ص ۸)

مگر یہ کیسے لازم آرہا ہے؟ اسی کو بتانے کے لیے انھوں نے اپنی طرف سے یہ عبارت لکھی: ۱

"اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے، ایسا علم غیب تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے'' (حفظ الایمان ص ۸)

تو تشبیہ، زید کے بقول نہیں، تھانوی صاحب کے بیان ملازمہ میں ہے۔ اور بیان

ملازمہ، ملازمہ بیان کرنے والے کا اپنا عقیدہ ہوتا ہے۔اس لیے یہ تھانوی صاحب کا عقیدہ ہوا کہ معاذ اللہ! جمیع حیوانات و بہائم کا علم حضور نبی کریم ﷺ کے برابر ہے۔

شبہہ (۲) اسی طرح یہ شبہہ بھی نہ کیا جائے کہ ہوسکتا ہے تھانوی صاحب کا منشا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو مشبہ بہ قرار دینا نہ ہو، بلکہ مطلق بعض علوم کو مشبہ بہ قرار دینا ہو جیسا کہ انہوں نے بسط البنان میں لکھا ہے۔

ازالۂ شبہہ (۲) شبہہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ: سائل زید کا عقید تھا کہ نبیِّ اَعلَم صلی اللہ علیہ وسلم کو بالواسطہ یعنی عطائی علم غیب حاصل ہے۔ تھانوی صاحب نے اسی عطائی علم غیب جو زید کے عقیدہ کے مطابق نبیِّ علیم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے، کی دو قسمیں کیں:

(۱) کل (۲) بعض ــــ تو یہ کل اور بعض وہی ہوئے جس کا زید معتقد تھا۔اس کے بعد ''کل'' کی نفی کر دی۔ تو لامحالہ بعض بچے۔اور یہ ''بعض'' وہی بچے، زید جس کا نبیِّ اعلم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حاصل ہونے کا معتقد تھا۔اور تھانوی صاحب نے اسی بعض علم کے لیے لکھا کہ:

''اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے، ایسا علم غیب تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے''

تو اسم اشارہ ''اس'' سے وہی بعض علم غیب مراد ہے، جو ''کُل'' کی نفی کے بعد بچا، اور زید جس کا نبیِّ اعلم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حاصل ہونے کا اعتقاد

رکھتا تھا۔ــــ اسی طرح حرف تشبیہ ’’ایسا‘‘ سے مشبہ بہ معہود ہوتا ہے، اور معہود وہی علم ہے زید جس کا نبیِّ اعلم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حاصل ہونے کا اعتقاد رکھتا تھا۔

پھر تخصیص کی نفی کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ اس میں دوسرے کی شرکت ہے۔
یعنی اس میں امکان کی گنجائش ہے

نسیم الریاض ج ۲ صفحہ ۲۶۳ میں ہے:

لان نفی الاختصاص یقتضی الشرکۃ کما لایخفی۔

ترجمہ: کسی سے کسی صفت کے خاص ہونے کی نفی ہو تو اس صفت میں دوسرے کی شرکت ہوتی ہے]

اور یہاں ’’دوسرے‘‘ ، ’’زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم‘‘ ہیں۔ تو متعین ہو گیا کہ نبیِّ اعلم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب ہی مشبہ بہ ہے، مطلق علم غیب مشبہ بہ ہو ہی نہیں سکتا۔

علاوہ ازیں مطلق و مقسم کے افراد و اقسام کی تشبیہ، قسیم و افراد سے ہی ہو سکتی ہے، مطلق و مقسم سے نہیں۔ مثلاً منطق کی اصطلاح میں حیوان (جان دار) مطلق و مقسم ہے اور انسان و شیر اس کے افراد و اقسام ہیں۔ تو انسان کو حیوان (جان دار) سے تشبیہ دیتے ہوئے یہ نہیں کہا جائے گا کہ انسان حیوان (جان دار) کی طرح ہے۔ ہاں! انسان کو شیر سے تشبیہ دیتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ انسان شیر کی طرح ہے ــــ اسی طرح نحو کی اصطلاح میں کلمہ مطلق و مقسم ہے اور اسم و فعل اور حرف اس کے اقسام و افراد ہیں۔ تو اسم کو کلمہ سے تشبیہ دیتے ہوئے یہ نہیں کہا جائے گا کہ اسم کلمہ کی طرح ہے۔ ہاں! اسم

جیسے الذی وغیرہ کو ''حرف'' سے تشبیہ دیتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ الذی ہمزۂ استفہام کی طرح ہے۔

اس سے بھی ثابت ہوا کہ تھانوی صاحب کی عبارت میں مطلق علم مشبہ بہ نہیں ہے، حضور نبیِّ اعلم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم پاک ہی مشبہ بہ ہے۔

شبہہ (۳) اسی طرح یہ شبہہ بھی نہ کیا جائے کہ مولانا تھانوی نے لفظ عالم الغیب کے اطلاق کرنے کا رد کیا ہے، علم غیب ماننے کا نہیں۔ جیسا کے ان کے الفاظ ہیں:

تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے الخ (ایضاص ۸)

ازالۂ شبہہ (۳) شبہہ نہ کیے جانے کی وجہ یہ ہے کہ تھانوی صاحب کے الفاظ ہیں:

''آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا الخ'' (حفظ الایمان ۸)

اور حکم کہتے ہیں: موضوع کے لیے محمول کے ثبوت یا نفی کرنے کو۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ان کی یہ گفتگو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب ثابت ماننے پر ہے، حضور کو عالم الغیب کہنے پر نہیں۔

شبہہ (۴) یوں ہی بسط البنان، اور اس کے حاشیہ میں میں تھانوی صاحب کے یہ لکھنے سے کہ:

اکابر ملت، مسلمہ علمائے امت کے کلام سے اپنی عبارت کے مشابہ

عبارتیں نقل کرتا ہوں کہ نظیر میں خاصہ ہے دفع استبعاد کا۔ شرح مواقف کے موقف سادس مرصد اول مقصد اول میں فلاسفہ کے جواب میں ہے :قلنا: ماذکرتم مردود بوجوہ؛ اذالاطلاع علی جمیع المغیبات لایجب للنبی اتفاقامناومنکم، ولھٰذاقال سیدالانبیاء :ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر ومامسنی السوء؛ والبعض ای الاطلاع علی البعض لایختص به ای بالنبی۔ اوراس سے اصرح مطالع الانظار شرح طوالع الانوار للبیضاوی میں ہے:فذھب الحکماء الی ان النبی من کان مختصا بخواص ثلث :الاولی ان یکون مطلعاعلی الغیب بصفاء جوھرنفسه وشدۃاتصاله بالمبادی العالیة من غیرسابقة کسب وتعلیم وتعلم .الثانیةکونه بحیث یطیعه الھیولی والعنصریةالقابلةللصورالمفارقةالی بذل .الثالثةان یشاھدالملائکةعلی صورمتخیلةویسمع کلام الله بالوحی. وقداورد علی ھٰذا بانھم ان ارادوابالاطلاع علی الاطلاع علی جمیع الغائبات فھولیس بشرط فی کون الشخص نبیابالاتفاق ،وان ارادوابه الاطلاع علی

بعضها فلا یکون ذالک خاصة النبی ،اذ ما من احد الا و یجوز ان یطلع علی بعض الغائبات من دون سابقة تعلیم و تعلم .وایضا النفوس البشریة کلها متحد بالنوع فلا تختلف حقیقتها بالصفاء والکدر فما جاز لبعض جاز ان یکون لبعض آخر ،فلا یکون الاطلاع خاصة للنبی

۵۱۔ انصاف درکار ہے کیا لا یختص کا وہی مفہوم نہیں جو عبارت حفظ الایمان کا ہے؟

شبہہ نہ کیا جائے کہ جو بات حفظ الایمان میں لکھی ہے، وہی بات شرح مواقف اور مطالع الانظار میں بھی ہے۔اور شرح مواقف ومطالع الانظار میں کفر نہیں،تو حفظ الایمان میں کفر کیسے ہے؟

ازالۂ شبہہ (۴) شبہہ نہ کئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ تھانوی صاحب نے شرح مواقف کی عبارت کے نقل کرنے میں خیانت کی ہے۔شرح مواقف میں تھانوی صاحب کی نقل کردہ عبارت سے متصلاً پہلے یہ عبارت ہے:

(فهو[ای النبی]عند اهل الحق)من الاشاعرة وغيرهم من المليين (من قال له الله)تعالیٰ ممن اصطفاه من عباده :(ارسلتک)الی قوم کذا او الی الناس جمیعا(... ونحوه من المجاهدات فی الخلوات

والانقطاعات(والاستعداد)الذاتی کمایزعمه الحکماء
(بل الله) سبحانه وتعالی (یختص برحمته من یشاء من
عباده)فالنبوۃ رحمة وموهبةمتعلقةبمشیئته فقط
(وهواعلم حیث یجعل رسالاته وهٰذا)الذی ذهب الیه
اهل الحق (بناء علی القول بالقادرالمختار. واما
الفلاسفة،فقالوا:هو)ای النبی (من اجتمع فیه خواص ثلٰث
)یمتازبهاعن غیره (احداهاان یکون له اطلاع علی
المغیبات .)... (وکیف)یستنکرذٰلک الاطلاع فی حق
النبی (وقدیوجد)ذٰلک فیمن قلت شواغله
لریاضة(بانواع المجاهدات (اومرض)صارف للنفس عن
الاشتغال بالبدن واستعمال الآلة(اونوم)ینقطع به
احساساته الظاهرة فان هٰولاء قدیطلعون علی المغیبات
ویخبرون عنها کمایشهد به التسامع والتجارب بحیث
لایبقی فیه شبهةللمنصفین۔

ترجمہ:اہل حق بلکہ نبوت کے قائل ساری ملت والوں کے نزدیک نبی،
اللہ کے اس برگزیدہ بندے کو کہتے ہیں،جس سے وہ فرمادے کہ
:"میں نے تمہیں فلاں قوم یا سارے لوگوں کے لیے پیغمبر بنایا۔یا اسی

معنی کے دوسرے الفاظ"۔ منصب نبوت پر فائز ہونے کے لیے فلسفی
حضرات جو شرطیں بتاتے ہیں کہ وہ خوب ریاضت ومجاہدہ کیا ہو، یا اس
میں ذاتی استعداد ہو، اہل حق کے نزدیک ایسی کوئی شرط نہیں ہے۔ بلکہ
اللہ سبحانہ تعالی اپنے جس بندے کو چاہتا ہے رحمت (نبوت) سے
نواز دیتا ہے۔ تو نبوت اللہ تعالی کی عطا فرمودہ رحمت ہے جو محض اس کی
مشیئت سے متعلق ہے ۔اہل حق، جو خدا کو قادر ومختار مانتے اور یقین
رکھتے ہیں کہ وہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے اور جس کا ارادہ کرتا ہے،
اختیار فرمالیتا ہے، وہ، یہی کہتے ہیں۔ فلسفیوں نے کہا ہے کہ: نبی، وہ
ہے جس میں یہ تین خصلتیں پائی جائیں (۱) وہ غیب جانے۔ نبی کے
تعلق سے غیب دانی کی بات کیسے نہیں کہی جائے گی جب کہ اس طرح
کی غیب دانی اس شخص میں بھی ہوتی ہے جو خوب ریاضت کرتا ہے
یا اسے مرض (جیسے سرسام) ہوتا ہے یا وہ خواب کی حالت میں ہوتا ہے
۔تسامع اور تجربہ شاہد ہے کہ وہ بھی کبھی کچھ غیبوں پر مطلع ہو جاتے ہیں۔
منصف کے لیے اس میں شبہہ کی گنجائش ہی نہیں۔۔۔(۲)........(۳)

اس عبارت کے بعد متصلاً یہ عبارت ہے جو تھانوی صاحب نے نقل کی
ہے، اور از راہ خیانت اس کے بھی ایک ٹکڑے کو چھوڑ دیا ہے ۔جس سے دو دو چار کی
طرح واضح تھا کہ تخصیص کی نفی صاحبِ شــرح مــواقف نہیں کر رہے ہیں، بلکہ

فلسفیوں کے کہنے کے مطابق ہو رہی ہے۔ہم یہاں پوری عبارت نقل کرر ہے ہیں:

(قلنا): ماذ کرتم (مردود) بوجوہ؛ (اذالاطلاع علی جمیع المغیبات لایجب للنبی اتفاقا) مناو منکم، ولھٰذاقال سیدالانبیاء :ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر و مامسنی السوء (والبعض) ای الاطلاع علی البعض لایختص بہ ای بالنبی (کمااقررتم بہ) حیث جوزتموہ للمرتاضین والمرضیٰ والنائمین فلایتمیز النبی عن غیرہ۔

ترجمہ؛ ہم [اہل حق] کہتے ہیں کہ تمہاری یہ بات کئی وجہوں سے غلط ہے ؛ کیوں کہ سارے غیوب پر اطلاع ہمارے یا تمہارے کسی کے نزدیک ضروری نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ کے حکم سے سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اگر میں غیب جانتا تو ساری بھلائیاں جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہیں پہونچتی'' اور بعض غیب کی باتیں، تم ،ریاضت کرنے والوں، سرسامی کیفیت میں مبتلا بیماروں اور خواب دیکھنے والوں میں بھی مانتے ہو۔ جس سے تمہارے ہی بقول غیب جاننے میں نبی کی تخصیص نہیں رہی تو نبی اور غیر نبی میں امتیاز کیسے ہوگا؟

توشرح مواقف میں فلسفیوں کی دلیل کا رد کرتے ہوئے ان کو الزامی جواب

فلسفیوں کے کہنے کے مطابق ہو رہی ہے۔ ہم یہاں پوری عبارت نقل کر رہے ہیں:

(قلنا): ماذکرتم (مردود) بوجوہ؛ (اذالاطلاع علی جمیع المغیبات لایجب للنبی اتفاقا) مناومنکم، ولھٰذاقال سیدالانبیاء: ولوکنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیرومامسنی السوء (والبعض) ای الاطلاع علی البعض لایختص بہ ای بالنبی (کمااقررتم بہ) حیث جوزتموہ للمرتاضین والمرضیٰ والنائمین فلایتمیزالنبی عن غیرہ۔

ترجمہ؛ ہم [اہل حق] کہتے ہیں کہ تمہاری یہ بات کئی وجہوں سے غلط ہے ؛ کیوں کہ سارے غیوب پر اطلاع ہمارے یا تمہارے کسی کے نزدیک ضروری نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ کے حکم سے سیدالانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اگر میں غیب جانتا تو ساری بھلائیاں جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہیں پہونچتی'' اور بعض غیب کی باتیں، تم، ریاضت کرنے والوں، سرسامی کیفیت میں مبتلا بیماروں اور خواب دیکھنے والوں میں بھی مانتے ہو۔ جس سے تمہارے ہی بقول غیب جاننے میں نبی کی تخصیص نہیں رہی تو نبی اور غیر نبی میں امتیاز کیسے ہوگا؟

توشرح مواقف میں فلسفیوں کی دلیل کا رد کرتے ہوئے ان کو الزامی جواب

دیا گیا ہے کہ: نبی کے لیے سارے غیوب جاننے کے قائل تو تم ہو نہیں۔ اور بعض غیب جاننے کے تعلق سے کہتے ہو کہ یہ مسلسل ریاضت، بیماری (سرسامی کیفیت) اور خواب میں بھی حاصل ہوتا ہے۔ تو تمہارے بقول یہ نبی کا خاصہ نہیں رہا کہ اس کی وجہ سے نبی اور غیر نبی میں امتیاز ہو——— پھر فلسفیوں نے دوسری اور تیسری خصوصیتوں پر جو دلیلیں دی ہیں، اسی طرح ان کا بھی کا رد کیا گیا ہے۔

مطالع الانظار شرح طوالع الانوار کی عبارت کا ترجمہ:

فلسفیوں نے کہا ہے کہ: نبی، وہ ہوتا ہے جس میں تین خصوصیتیں ہوں۔
پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محنت اور پڑھے پڑھائے بغیر اپنے جوہر نفس کے صفا اور مبادیٔ عالیہ سے بہت زیادہ اتصال کی وجہ سے غیب جانے۔
دوسری خصوصیت یہ ہے کہ صور مفارقہ کے قابل عناصر کا ہیولی اس کے تابع ہو۔
تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ فرشتوں کو متخیل صورت میں دیکھے اور کلام اللہ کو وحی کے ذریعہ سُنے۔ اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ: اگر غیب جاننے سے ان کی مراد یہ ہے کہ جو سارے غیبوں کو جانے، وہی نبی ہوگا، تو ہماری ہی طرح فلاسفہ بھی تو سارے غیب جاننے کی بات نہیں کہتے ہیں۔ اور اگر مراد یہ ہے کہ جو، بعض غیب کو جانے وہ نبی ہوگا۔ تو پھر کیسے وہ کہہ چکے ہیں کہ کچھ لوگ پڑھے پڑھائے بغیر بھی غیب

کی بعض باتیں جان لیتے ہیں۔

انہیں کے بقول تو یہ نبی کا خاصہ نہیں رہا۔اسی طرح نفوس بشریہ جب متحد بالنوع ہیں تو صفا وکدر میں ان کی حقیقت مختلف کیسے ہوگی؟ایک نوع کے کچھ افراد کے لیے جو چیز ممکن ہوگی ، سارے افراد کے لئے ممکن ہوگی۔اور غیب جاننا نبی کا خاصہ نہیں رہے گا۔یہاں بھی علامہ بیضاوی نے فلسفیوں کی دلیل کا رد کرتے ہوئے ہی ان کو اسی طرح الزامی جواب دیا ہے کہ:

اے فلسفیو! نبی کے لیے سارے غیوب جاننے کے قائل تو تم بھی نہیں ہو۔اور بعض غیب جاننے کے تعلق سے کہتے ہو کہ یہ مسلسل ریاضت، بیماری (سرسامی کیفیت) اور خواب میں بھی حاصل ہوتا ہے۔ تو تمہارے ہی بقول یہ نبی کا خاصہ نہیں رہا۔اسی طرح نفوس بشریہ جب متحد بالنوع ہیں تو صفا وکدر میں ان کی حقیقت مختلف کیسے ہوگی؟ایک نوع کے کچھ افراد کے لیے جو چیز ممکن ہوگی ،سارے افراد کے لئے ممکن ہوگی۔تو غیب جاننا نبی کا خاصہ نہیں رہا کہ اس کی وجہ سے نبی اور غیر نبی میں امتیاز ہو۔

مگر تھانوی صاحب کی ڈھٹائی دیکھئے کہ کس طرح شرح مواقف کی عبارت کے پہلے اور بعد کے حصہ کو چھوڑ کر بیچ کا ایک ٹکڑا نقل کرلیا ہے اور مصنف شرح مواقف کے ساتھ ساتھ صاحب مطالع الانظار پر بھی جھوٹا الزام لگاتے ہوئے جرم بانٹ

کر اس کی شدت میں تخفیف کرنے کی اپنی سی کوشش کی ہے ۔ ہر چند کہ یہودیو
ں اور عیسائیوں نے اپنی مذہبی کتابوں تورات وانجیل میں تحریف کی ہے مگر ان کو بھی یہ
جرأت نہیں ہوسکی کہ کبھی قرآن کریم کے ارشاد: قالت النصریٰ المسیح ابن اللہ
ذٰلك قولهم سے قالت النصری اور وذٰلك قولهم کو چھوڑ کر بیچ سے
المسیح ابن اللہ کو لے لیا ہو اور مسلمانوں سے کہا ہو کہ ''ہم اگر حضرت عیسیٰ علیہ
السلام کو خدا کا بیٹا کہہ رہے ہیں، تو قرآن نے بھی تو المسیح ابن اللہ
کہا ہے۔ انصاف درکار ہے، کیا المسیح ابن اللہ کا وہی مفہوم نہیں جو ہمارے قول
کا ہے؟'' لاحول ولاقوۃ الا باللہ!

اوہام اوران کاازالہ

وہم (ا) کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ جب مولانا تھانوی نے تغییر العنوان میں اپنی عبارت بدل دی ہے اور یوں لکھا ہے:

اس لفظ کو ''اگر'' کے بعد سے ''عالم الغیب کہا جائے'' تک اس طرح بدلتا ہوں۔اب حفظ الایمان کی اس عبارت کو جو کہ اسی سوال کے بالکل شروع میں مذکور ہے اس طرح پڑھا جائے:

''اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں،تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا تخصیص ہے؟ مطلق بعض علوم غیبیہ تو غیر انبیا علیہ السلام کو بھی حاصل ہیں تو چاہئے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے'' الخ

ازالۂ وہم (ا) وہم نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تھانوی صاحب نے **حفظ الایمان** کی اس کفری معنی میں متعین عبارت کو کفری مان کر اس سے رجوع کرنے کو ضروری سمجھ کے نہیں بدلا ہے۔بلکہ اسے صحیح قرار دیتے ہوئے عام لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے تبدیل کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

۱۰ صفر ۱۳۴۲ھ کو ایک خط جس کے کاتب کا عنوان ''از عامۂ مخلصین حیدر آباد دکن'' تھا اور ذریعہ جواب منگانے کا ایک معیّن مولوی صاحب تھے،آیا۔اس میں حفظ الایمان کی ایک مشہور عبارت کے متعلق (جس

پر مہربانوں کا اعتراض مشہور ہے) رائے دی تھی کہ اس میں ترمیم کر دی جائے اور مقتضیات ترمیم کا اجتماع اور موانع ترمیم کا ارتفاع ان جملوں میں ظاہر کیا تھا۔

(۱) ایسی عبارت جس میں علوم غیبیہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم مجانین وبہائم سے تشبیہ دی گئی ہے جو بادی النظر میں سخت سوء ادبی کو مشعر ہے ،کیوں ایسی عبارت سے رجوع نہ کرلیا جائے؟

(۲) جس میں مخلصین حامیین جناب والا کو حق بجانب جواب دہی میں سخت دشواری ہوتی ہے۔

(۳) وہ عبارت آسمانی اور الہامی نہیں کہ جس کی مصدرہ صورت اور ہیئت عبارت کا بحالہ یا بالفاظہ باقی رکھنا ضروری ہو۔الخ

چوں کہ یہ مشورہ اور سوال سب کا مبنیٰ تھا دلالت علی المماثلت ۔اور وہ خود منتفی ہے۔اس لیے اس خط کے جواب میں مشورۂ نیک پر شکر گذاری کے ساتھ اس دلالت کی تقریر دریافت کی گئی کہ اس کے بعد جواب کا استحقاق ہوسکتا ہے۔

اس خط کو دیکھ کر چوں کہ مشورہ نیک تھا گو بنا ضعیف تھی ، یہاں بعض دینی خیر خواہوں اور اسلامی مصلحت اندیشوں نے سوال کو بدل کر پیش کیا۔ چوں کہ اس میں جو بنا بیان کی گئی ، واقعی تھی۔اس لیے جواب میں اس

مشورہ کو قبول کیا گیا بوجہ نافع عام ہونے کے، وہ سوال وجواب ذیل میں منقول ہے۔

حفظ الایمان کے ''سوال سوم'' کے جواب میں ایک شق میں یہ عبارت ہے کہ ''آپ کی ذات مقدسہ پر الخ

اس عبارت پر بعض حضرات شبہہ کرتے ہیں کہ اس میں نعوذ باللہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو مماثل اور مشابہ ٹھہرادیا علوم مجانین وبہائم کے، اور یہ استخفاف ہے اور استخفاف کفر ہے اور اس شبہ کا جو جواب رسالہ بسط البنان میں لکھا گیا، وہ بالکل کافی وافی جامع مانع اور اساس شبہ کا بالکلیہ قالع ہے...غرض ان تصریحات وتنقیحات کے بعد کسی شبہ کی گنجائش نہ رہی۔ نہ کسی خلافِ مقصود یا نعوذ باللہ سوء ادب کا اصلا ایہام رہا۔ پس اس بنا پر واقعی ترمیم کی ضرورت نہیں۔

لیکن اسلامی دنیا میں چوں کہ ہر فہم کے لوگ ہیں یا کم ازکم قصداً شبہہ ڈالنے والے بھی موجود ہیں جو شبہہ ڈالنے میں کچھ مصالح سمجھے ہوئے ہیں، خواہ مصالح دینیہ ہوں جیسا ان کا دعوی ہے، یا دنیویہ ہوں جیسا واقع ہے۔ اس لیے کم فہموں کی رعایت سے تاکہ نہ ان کو خود شبہہ ہو نہ دوسرا کوئی شبہہ ڈال سکے۔ اگر اس عبارت میں ایسے طور سے ترمیم کر دی جائے جس میں مضمون محفوظ رہے اور عنوان بدل جائے تو امید ہے کہ

موجب اجر ہوگا گو یہ ترمیم درجۂ ضرورت میں نہ ہوگی صرف درجۂ استحسان ہی میں ہوگی....

جواب

جزاکم اللہ تعالیٰ بہت اچھی رائے ہے۔چوں کہ اس سے قبل کسی نے واقعی بنا نہیں ظاہر کی اس لیے ترمیم کو علی خلاف المقصود کے اقرار کے لیے مستلزم سمجھا اور اقرار بالکفر کفر ہے اس لیے ترمیم کو ضروری تو کیسا جائز بھی نہیں سمجھا۔اب سوال ہٰذا میں جو بنا بیان کی گئی ہے ایک امر واقعی ہے ۔لہٰذا قبولاً للمشورۃ اس لفظ کو"اگر" کے بعد سے "عالم الغیب کہا جائے" تک اس طرح بدلتا ہوں۔اب حفظ الایمان کی اس عبارت کو جو کہ اسی سوال کے بالکل شروع میں مذکور ہے اس طرح پڑھا جائے:

"اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں،تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا تخصیص ہے؟ مطلق بعض علوم غیبیہ تو غیر انبیا علیہ السلام کو بھی حاصل ہیں تو چاہیئے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے" الخ

فقیر رضوی عرض گزار ہے کہ کوئی مصنف اپنی کتاب میں یہ لکھے کہ:

"خدا کی ذات مقدسہ پر قدرت کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس قدرت سے مراد بعض چیزوں پر قدرت

ہے یا کل چیزوں پر قدرت؟ اگر بعض چیزوں پر قدرت مراد ہے تو اس میں خدا کی ہی کیا تخصیص ہے، ایسی قدرت تو جانوروں، چوپایوں کے لیے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر جاندار کو کسی نہ کسی ایسی بات پر قدرت ہوتی ہے جو دوسرے جاندار کی قدرت میں نہیں ہوتی۔ تو چاہئے کہ سب کو قادر کہا جائے۔ پھر اگر زید اس کا التزام کر لے کہ ہاں میں سب کو قادر کہوں گا تو پھر قدرت کو من جملہ کمالات خداوندی کیوں شمار کیا جاتا ہے؟ جس امر میں مومن بلکہ انسان کی بھی خصوصیت نہ ہو وہ کمالات خداوندی سے کب ہوسکتا ہے؟ اور التزام نہ کیا جاوے تو خدا اور غیر خدا میں وجہ فرق بیان کیا جانا ضرور ہے۔ اور اگر تمام چیزوں پر قدرت مراد ہے اس طرح کہ ایک چیز پر قدرت بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی سے ثابت ہے۔ دلائل نقلیہ بے شمار ہیں، خود قرآن کریم میں خدائے پاک سے نفی کرنا بیوی بنانے، اولاد پیدا کرنے کی آیت لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفوا احد میں صاف صاف مذکور ہے ـــــــ دلیل عقلی یہ کہ یہ چیزیں محالات ذاتیہ ہیں اور محالات ذاتیہ سے قدرت متعلق نہیں ہوتی۔

اور اعتراض ہونے پر اُن کا کوئی معتقد مشورہ دے کہ:

اس عبارت پر بعض حضرات شبہہ کرتے ہیں کہ اس میں نعوذ باللہ اللہ

تعالی کی قدرت کو مماثل اور مشابہ ٹھہرادیا قدرت مجانین و بہائم کے ، اور یہ استخفاف ہے اور استخفاف کفر ہے اور اس شبہ کا جو جواب رسالہ... میں لکھا گیا، وہ بالکل کافی وافی جامع مانع اور اساس شبہہ کا بالکلیہ قالع ہے...غرض ان تصریحات وتنقیحات کے بعد کسی شبہ کی گنجائش نہ رہی ۔نہ کسی خلافِ مقصود یا نعوذ باللہ سوء ادب کا اصلا ایہام رہا۔پس اس بنا پر واقعی ترمیم کی ضرورت نہیں۔

لیکن اسلامی دنیا میں چوں کہ ہر فہم کے لوگ ہیں یا کم از کم قصداً شبہہ ڈالنے والے بھی موجود ہیں جو شبہہ ڈالنے میں کچھ مصالح سمجھے ہوئے ہیں، خواہ مصالح دینیہ ہوں جیسا ان کا دعوی ہے، یا دنیویہ ہوں جیسا واقع ہے۔اس لیے کم فہموں کی رعایت سے تا کہ نہ ان کو خود شبہہ ہو نہ دوسرا کوئی شبہہ ڈال سکے۔اگر اس عبارت میں ایسے طور سے ترمیم کر دی جائے جس میں مضمون محفوظ رہے اور عنوان بدل جائے تو امید ہے کہ موجب اجر ہوگا گو یہ ترمیم درجۂ ضرورت میں نہ ہوگی صرف درجۂ استحسان ہی میں ہوگی......

اور جواب میں مصنف یہ لکھے کہ:

۱۰ صفر ۱۳۴۲ھ کو ایک خط جس کے کاتب کا عنوان ''از عامۂ مخلصین حیدر آباد دکن'' تھا اور ذریعہ جواب منگانے کا ایک معیّن مولوی صاحب

تھے، آیا۔

اس میں میری کتاب کی ایک مشہور عبارت کے متعلق (جس پر مہربانوں کا اعتراض مشہور رہے) رائے دی تھی کہ اس میں ترمیم کردی جائے اور مقتضیات ترمیم کا اجتماع اور موانع ترمیم کا ارتفاع ان جملوں میں ظاہر کیا تھا۔

(۱) ایسی عبارت جس میں قدرت خداوندی کو علوم مجانین و بہائم سے تشبیہ دی گئی ہے جو بادی النظر میں سخت سوء ادبی کو مشعر ہے، کیوں ایسی عبارت سے رجوع نہ کرلیا جائے؟

(۲) جس میں مخلصین حامیین جناب والا کو حق بجانب جواب دہی میں سخت دشواری ہوتی ہے۔

(۳) وہ عبارت آسمانی اور الہامی نہیں کہ جس کی مصدرہ صورت اور ہیئت عبارت کا بحالہ یا بالفاظہ باقی رکھنا ضروری ہو۔ الخ

چوں کہ یہ مشورہ اور سوال سب کا مبنیٰ تھا دلالت علی المماثلت۔ اور وہ خود منتفی ہے۔ اس لیے اس خط کے جواب میں مشورۂ نیک پر شکرگذاری کے ساتھ اس دلالت کی تقریر دریافت کی گئی کہ اس کے بعد جواب کا استحقاق ہوسکتا ہے۔

اس خط کو دیکھ کر چوں کہ مشورہ نیک تھا گو بنا ضعیف تھی، یہاں بعض دینی

خیر خواہوں اور اسلامی مصلحت اندیشوں نے سوال کو بدل کر پیش کیا۔ چوں کہ اس میں جو بنا بیان کی گئی، واقعی تھی۔ اس لیے جواب میں اس مشورہ کو قبول کیا گیا بوجہ نافع عام ہونے کے، وہ سوال و جواب ذیل میں منقول ہے۔

میری کتاب کے ''سوال سوم'' کے جواب میں ایک شق میں یہ عبارت ہے کہ ''خدا کی ذات مقدسہ پر الخ

اس عبارت پر بعض حضرات شبہ کرتے ہیں کہ اس میں نعوذ باللہ خدا کی قدرت کو مماثل اور مشابہ ٹھہرادیا علوم مجانین و بہائم کے، اور یہ استخفاف ہے اور استخفاف کفر ہے اور اس شبہ کا جو جواب رسالہ بسط البنان میں لکھا گیا، وہ بالکل کافی وافی جامع مانع اور اساس شبہ کا بالکلیہ قالع ہے...غرض ان تصریحات و تنقیحات کے بعد کسی شبہ کی گنجائش نہ رہی۔ نہ کسی خلافِ مقصود یا نعوذ باللہ سوء ادب کا اصلا ایہام رہا۔ پس اس بنا پر واقعی ترمیم کی ضرورت نہیں۔

لیکن اسلامی دنیا میں چوں کہ ہر فہم کے لوگ ہیں یا کم از کم قصداً شبہہ ڈالنے والے بھی موجود ہیں جو شبہہ ڈالنے میں کچھ مصالح سمجھے ہوئے ہیں، خواہ مصالح دینیہ ہوں جیسا ان کا دعوی ہے، یا دنیویہ ہوں جیسا واقع ہے۔ اس لیے کم فہموں کی رعایت سے تاکہ نہ ان کو خود شبہہ ہونہ

دوسرا کوئی شبہہ ڈال سکے۔ اگر اس عبارت میں ایسے طور سے ترمیم کردی جائے جس میں مضمون محفوظ رہے اور عنوان بدل جائے تو امید ہے کہ موجب اجر ہوگا گویہ ترمیم درجۂ ضرورت میں نہ ہوگی صرف درجۂ استحسان ہی میں ہوگی....

جواب

جزاکم اللہ تعالیٰ بہت اچھی رائے ہے۔ چوں کہ اس سے قبل کسی نے واقعی بنا نہیں ظاہر کی اس لیے ترمیم کو علی خلاف المقصود کے اقرار کے لیے مستلزم سمجھا اور اقرار بالکفر کفر ہے اس لیے ترمیم کو ضروری تو کیسا جائز بھی نہیں سمجھا۔ اب سوال ہٰذا میں جو بنا بیان کی گئی ہے ایک امر واقعی ہے۔ لہٰذا قبولاً للمشورۃ اس لفظ کو ''اگر'' کے بعد سے 'تو چاہیے کہ سب کو قادر کہا جائے'' تک اس طرح بدلتا ہوں۔ اب میری کتاب کی اس عبارت کو جو کہ اسی سوال کے بالکل شروع میں مذکور ہے اس طرح پڑھا جائے:

''اگر بعض قدرت مراد ہے، تو اس میں ذات خداوندی کی کیا تخصیص ہے؟ مطلق بعض قدرت تو غیر خدا کو بھی حاصل ہے تو چاہیے کہ سب کو قادر کہا جائے'' الخ

تو کیا اس ترمیم سے مصنف کفر کی زد سے محفوظ ہو جائے گا؟ جب کہ وہ ابھی بھی

اپنی اس توہین والی عبارت کو فی نفسہ صحیح مان رہا ہے۔

وہم (۲) اسی طرح یہ وہم بھی نہ ہو کہ لفظ ایسا تو ہمیشہ تشبیہ کے لیے نہیں آتا، بقرینۂ مقام مطلق بیان کے لیے بھی آتا ہے۔ بلغائے اہل لسان اپنے محاورات فصیحہ میں بولتے ہیں مثلاً: اللہ تعالیٰ ایسا قادر ہے۔ تو کیا یہاں خدائے تعالیٰ کے قادر ہونے کو دوسرے کے قادر ہونے سے تشبیہ دینا مقصود ہے؟ ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں (بسط البنان) ــــ اسی طرح علم سے مراد علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ مطلق بعض علوم غیبیہ مراد ہیں جو اس شق کے شروع میں لفظ اگر کے بعد مذکور ہے۔ یعنی یہ شق جو ایک قضیہ شرطیہ ہے اسی مقدم کا وہ موضوع ہے ... مطلب واضح ہو گیا کہ اگر مطلق بعض علم کا حصول علت ہو اطلاق عالم الغیب کے صحیح ہونے کی تو جب علت مشترک ہے دوسرے مخلوقات میں بھی، تو لازم آتا ہے کہ دوسری مخلوقات کو بھی عالم الغیب کہیں اور لازم باطل ہے پس ملزوم بھی باطل ہے۔ (تغییر العنوان)

ازالۂ وہم (۲) وہم نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہم ثابت کر چکے کہ:

(الف) تھانوی صاحب کہ یہ عبارت فقہی اصطلاح میں قیاس اور منطقی اصطلاح میں تمثیل ہے جس میں تشبیہ ہوتی ہے، جیسا کہ ہم شروع میں بیان کر چکے۔

(ب): ''اللہ تعالیٰ ایسا قادر ہے کہ ایک لفظ کُن سے کائنات کو پیدا فرما دیا'' میں تشبیہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس جملہ میں کسی سے کسی چیز کی خصوصیت کی نفی کر کے لفظ ''ایسا'' بول کر دوسرے کے لیے اس کو ثابت مانا نہیں کیا گیا ہے۔ جب کہ حفظ

الایمان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض علم غیب کی خصوصیت کی نفی کر کے لفظ ''ایسا'' لکھ کر جانوروں، چوپایوں کے لیے بھی اس کو ثابت مانا گیا ہے۔ اگر یہاں بھی مثلا اللہ تعالی سے بعض قدرت کی خصوصیت کی نفی کر کے لفظ ''ایسا'' کا استعمال کیا جاتا اور جانوروں، چوپایوں کے لیے بھی مانا جاتا، تو بلاشبہ تشبیہ کے لیے ہوتا۔ جیسے یوں کہا جاتا کہ:

''خدا کی ذات مقدسہ پر قدرت کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس قدرت سے مراد بعض چیزوں پر قدرت ہے یا کل چیزوں پر قدرت؟ اگر بعض چیزوں پر قدرت مراد ہے تو اس میں خدا کی ہی کیا تخصیص ہے، ایسی قدرت تو جانوروں، چوپایوں کے لیے بھی حاصل ہے کیوں کہ ہر جاندار کو کسی نہ کسی ایسی بات پر قدرت ہوتی ہے جو دوسرے جاندار کی قدرت میں نہیں ہوتی۔ تو چاہئے کہ سب کو قادر کہا جائے۔ پھر اگر زید اس کا التزام کر لے کہ ہاں میں سب کو قادر کہوں گا تو پھر قدرت کو من جملہ کمالات خداوندی کیوں شمار کیا جاتا ہے ؟ جس امر میں مومن بلکہ انسان کی بھی خصوصیت نہ ہو وہ کمالات خداوندی سے کب ہوسکتا ہے؟ اور التزام نہ کیا جاوے تو خدا اور غیر خدا میں وجہ فرق بیان کیا جانا ضرور ہے۔ اور اگر تمام چیزوں پر قدرت مراد ہے اس طرح کہ ایک چیز پر قدرت بھی خارج نہ رہے تو اس

کا بطلان دلیل نقلی و عقلی سے ثابت ہے۔ دلائل نقلیہ بے شمار ہیں، خود قرآن کریم میں خدائے پاک سے نفی کرنا بیوی بنانے، اولاد پیدا کرنے کی آیت لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد میں صاف صاف مذکور ہے۔ دلیل عقلی یہ کہ یہ چیزیں محالات ذاتیہ ہیں اور محالات ذاتیہ سے قدرت متعلق نہیں ہوتی۔

تو بلاشبہہ لفظ ''ایسی'' تشبیہ کے لیے ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا حسین احمد صاحب نے الشھاب الثاقب ص:۱۱ مطبع قاسمی دیوبند میں لکھا:

حضرت مولانا (تھانوی) عبارت میں لفظ ایسا فرمار ہے ہیں...اس سے بھی قطع نظر کر لیں تو لفظ ''ایسا'' تو کلمہ تشبیہ کا ہے۔

حیدرآباد سے جو خط تھانوی صاحب کو لکھا گیا ہے، اس میں بھی وہاں کے لوگوں نے اس کو تشبیہ سمجھا ہے، لکھتے ہیں:

''ایسی عبارت جس میں علوم غیبیہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم مجانین وبہائم سے تشبیہ دی گئی ہے جو بادی النظر میں سخت سوء ادبی کو مشعر ہے، کیوں ایسی عبارت سے رجوع نہ کر لیا جائے؟''

(ج) ہم گزشتہ سطروں میں ثابت کر چکے ہیں کہ تشبیہ ہمیشہ فرد کی فرد سے ہوتی ہے ،فرد کی مطلق سے نہیں۔ مزید اطمنان قلب درکار ہو تو دیوبندی علما سے یہ لکھوا کر چھپوائیں کہ:

مولانا قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، اشرف علی تھانوی ، حسین احمد ٹانڈوی ،ارشد مدنی کی ذوات عالیہ پر سمجھ داری کا حکم کیا جانا (یعنی یہ ماننا کہ یہ لوگ سمجھ دار تھے) بقول فلاں صحیح ہوتو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سے مراد بعض باتوں کی سمجھ ہے؟ یا کل باتوں کی سمجھ؟ اگر بعض باتوں کی سمجھ مراد ہے تو اس میں ان ہی حضرات کی کیا تخصیص؟ ایسی سمجھ داری تو بھنگی ، چمار بلکہ جمیع حیوانات و بہائم (کُتّے ،سُوّر) کو بھی حاصل ہے؛ کیوں کہ ہر بھنگی، چمار کو، کُتّے ،سُوّر کو کسی نہ کسی بات کی سمجھ داری ہوتی ہے جو دوسرے کو نہیں ہوتی ۔ تو چاہئے کہ سب کو سمجھ دار کہا جائے ۔ پھر اگر فلاں اس کا التزام کر لے کہ ہاں! میں سب کو سمجھ دار کہوں گا تو پھر سمجھ داری کو مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا حسین احمد ٹانڈوی ،مولانا ارشد مدنی کے کمالات سے کیوں سمجھا جاتا ہے؟ اور التزام نہ کیا جاوے تو مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانوی ،مولانا حسین احمد ٹانڈوی ،مولانا ارشد مدنی اور بھنگی، چمار، کُتّے، سُوّر میں وجہ فرق بیان کرنا ضرور ہے ۔ اور اگر تمام باتوں کی سمجھ داری مراد ہے اس طرح کی اس کی ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان مشاہدہ اور دلیل عقلی سے ثابت ہے الخ

مگر وہ حضرات ایسا کبھی نہ کریں گے؛ کیوں کہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ایسا لکھنے میں ان حضرات کی توہین ہے۔

تو جب اس لکھنے میں ان حضرات علمائے دیوبند کی توہین ہے، تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے تعلق سے ایسا لکھنے میں توہین کیوں نہیں؟

اور گر دیوبندی علمابات رکھنے کو دل پر جبر کر کے لکھ کر چھاپ ہی دیں، تو ان سے کہا جائے کہ ذرا ملک کے صدر یا سپریم کورٹ کے چیف جسٹس صاحب کے بارے میں بھی لکھ کر چھاپئے کہ:

آپ کی ذات عالی پر اختیار کا حکم کیا جانا (یعنی یہ ماننا کہ آپ کو اختیار حاصل ہے) بقول فلاں صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس سے مراد بعض اختیار ہے یا کل اختیار؟ اگر بعض اختیارات مراد ہیں تو اس میں جناب عالی ہی کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا اختیار تو بھنگی، چمار بلکہ تمام جانوروں اور چوپایوں کو بھی حاصل ہے؛ کیونکہ ہر بھنگی، چمار کو، کتے، سور کو کسی نہ کسی بات میں اختیار ہوتا ہے، جو دوسرے کو نہیں ہوتا ہے، تو چاہیے کہ سب کو با اختیار کہا جائے۔ پھر اگر فلاں اس کا التزام کر لے کہ ہاں میں سب کو با اختیار کہوں گا، تو پھر اختیار کو من جملہ کمالات صدر یا چیف جسٹس کیوں شمار کیا جاتا ہے؟

جس امر میں بھنگی، چمار بلکہ انسان کی بھی خصوصیت نہ ہو، وہ کمالات صدر و چیف جسٹس سے کب ہو سکتا ہے؟ اور التزام نہ کیا جائے تو صدر و چیف جسٹس اور

غیر صدر و چیف جسٹس میں وجہ فرق بیان کیا جانا ضرور ہے ۔ اور اگر تمام اختیارات مراد ہیں اس طرح کہ اس کی ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان مشاہدہ اور آئین ہند سے ثابت ہے۔

پھر دیکھیے کہ آپ کو صدر اور چیف جسٹس صاحبان کی توہین اور ہتک عزت کے جرم میں جیل کی ہوا کھانی پڑتی ہے یا نہیں؟

اب ذرا حفظ الایمان اور اس کی صفائی میں المہند کی عبارتوں کو ملا کر دیکھئے تو دن کے اجالے کی طرح واضح ہو جائے گا کہ دل میں چور نہیں تھا تو علماے دیوبند کی پوری کمیٹی نے متفقہ طور پر یہ کارستانی کیوں کی؟

حفظ الایمان کی اصل متنازع فیہ عبارت:

آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب ،اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ایسا علم غیب تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات کیلئے بھی حاصل ہے ...اور اگر تمام علوم غیبیہ مراد ہیں اس طرح کہ اس کی ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی سے ثابت ہے۔

حسام الحرمین میں اس کا عربی ترجمہ:

ان صح الحکم علی ذات النبی المقدسة بعلم المغیبات

كما يقول به زيد فالمسؤل عنه انه ماذا ارادبهذا؟أبعض الغيوب ام كلها فان اراد البعض فاى خصوصية فيه لحضرة الرسالة فان مثل هذا العلم بالغيب حاصل لزيدوعمرو بل لكل صبى ومجنون بل لجميع الحيوانات والبهائم، وان ارادالكل بحيث لا يشذ منه فرد فبطلانه ثابت نقلاوعقلا.

المهند میں اس کا عربی ترجمہ:

قال الشيخ... ثم لو صح هٰذاالاطلاق على ذاته المقدسه صلى الله عليه وسلم على قول السائل فنستفسرمنه ماذاارادبهذاالغيب هل ارادكل واحدمن افراد الغيب اوبعضه اى بعض كان فان اراد بعض الغيوب فلااختصاص له بحضرةالرسالةصلى الله عليه وسلم فان علم بعض الغيوب وان كان قليلاحاصل لزيد وعمر بل لكل صبى ومجنون بل لجميع الحيوانات والبهائم لان كل واحدمنهم يعلم شيئالايعلم الآخرويخفى عليه فلوجوزالسائل اطلاق عالم الغيب على احدلعلمه بعض الغيوب يلزم عليه ان يجوز اطلاقه على سائرالمذكورات

ولو التزم ذٰلک لم یبق من کمالات النبوۃ لانہ یشرک فیه سائرھم ولو لم یلتزم طولب بالفارق ولن یجد فیه سبیلا. انتھی کلام الشیخ التھانوی.

المہند میں اس کا اردو ترجمہ

پھر یہ کہ حضرت کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا اطلاق اگر بقول سائل صحیح ہو تو ہم اسی سے دریافت کرتے ہیں کہ اس غیب سے مراد کیا ہے یعنی غیب کا ہر فرد یا بعض غیب کوئی کیوں نہ ہو۔ پس اگر بعض غیب مراد ہے تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص نہ رہی کیوں کہ بعض غیب کا علم اگر چہ تھوڑا سا ہو، زید و عمرو بلکہ ہر بچہ اور دیوانہ بلکہ جملہ حیوانات اور چوپایوں کو بھی حاصل ہے کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہے کہ دوسرے کو نہیں ہے تو اگر سائل کسی پر لفظ عالم الغیب کا اطلاق بعض غیب جاننے کی وجہ سے جائز رکھتا ہے تو لازم آتا ہے کہ اس اطلاق کو مذکورہ بالا تمام حیوانات پر جائز سمجھے اور اگر سائل نے اس کو مان لیا تو پھر اطلاق کمالات نبوت میں سے نہ رہا کیوں کہ سب شریک ہو گئے اور اگر اس کو نہ مانے تو وجہ فرق پوچھی جائے گی اور وہ ہرگز بیان نہ ہو سکے گی۔ مولانا تھانوی کا کلام ختم ہوا۔

حفظ الایمان کی اصل عبارت ساڑھے تین سطروں میں ہے، تو حسام

الحرمین میں اس کا عربی ترجمہ بھی ساڑھے تین ہی سطروں میں آگیا ہے۔ مگر المهند میں ترجمہ کے نام پر جو عربی عبارت لکھی گئی ہے، وہ تقریبا نو سطروں میں لکھی گئی ہے۔ پھر حفظ الایمان میں جو عبارت ہے، اس کا عربی ترجمہ جو بھی کرے گا، وہی ہوگا جو حسام الحرمین میں ہے۔ اور حسام الحرمین میں جو عربی عبارت ہے، اس کا اردو ترجمہ جو بھی کرے گا، وہ، وہی ہوگا جو حفظ الایمان میں ہے۔ اس کے برخلاف المهند کی عربی عبارت کا جو اردو ترجمہ خود علماے دیوبند نے تقریباً نو سطروں میں کیا ہے، جس میں حفظ الایمان کی متنازع عبارت کا نام ونشان تک نہیں ہے۔

کیا اس سے ثابت نہیں ہوجاتا کہ عربی ترجمہ کرنے میں خیانت کر کے علماے حرمین کو دھوکا حسام الحرمین میں نہیں دیا گیا ہے، بلکہ علماے دیوبند نے خیانت کر کے اپنی متفقہ کتاب المهند میں علماے حرمین کو دھوکا وفریب دیا ہے؛ کیوں کہ وہ حضرات اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ متنازع عبارتوں کا صحیح ترجمہ کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہی حکم جو حسام الحرمین میں ہے کہ ایسا لکھنے والے مسلمان نہیں، دائرۂ اسلام سے خارج ہیں، اس میں بھی آجائے گا۔

الغرض! مولانا قاسم نانوتوی، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا اشرف علی تھانوی نے ”تحذیر الناس“، ”براهین قاطعه“ اور ”حفظ الایمان“ کی بعض عبارتوں میں متعین یعنی صریح ومفسر طور پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا انکار کیا اور آپ کی توہین وتنقیص کی ہے۔ جن میں کسی

اسلامی معنی کا احتمال بعید بھی نہیں ہے۔

ان عبارتوں کے تعلق سے جتنی بھی تاویلیں کی گئی ہیں، وہ سب کی سب تاویل کے نام پر تحریفیں اور خلاف دلیل ومتعذر اور باطل ہیں، جو بالاتفاق معتبر نہیں۔ تو لامحالہ ان حضرات کی تکفیر کلامی واجماعی صحیح ہے، اور بجا طور پر علمائے حرمین طیّبین نے فرمایا ہے کہ

:من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر۔

یعنی جن حضرات کو اُن لوگوں کی اِن عبارتوں اور ان کے مطالب پر واقفیت تام ہو جائے، وہ حضرات اگر اِن لوگوں کے کفر وعذاب میں شک کریں تو حکم کفر اُن سے بھی متعلق ہوگا۔ جیسا کہ فاضل دیوبند مولانا مرتضی حسن دربھنگوی نے بھی اپنی کتاب ''اشد العذاب'' میں لکھا ہے:

> اگر (مولانا احمد رضا) خان صاحب کے نزدیک بعض علمائے دیوبند (مولانا قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھوی، اشرف علی تھانوی) ایسے ہی تھے جیسا کہ انہوں نے اسے سمجھا، تو (مولانا احمد رضا) خان صاحب پر ان علمائے دیوبند کی تکفیر فرض تھی۔ اگر وہ ان کو کافر نہ کہتے تو خود کافر ہو جاتے، جیسے علمائے اسلام نے جب مرزا (غلام احمد) صاحب کے عقائد کفریہ معلوم کر لیے اور وہ قطعاً ثابت ہو گئے تو اب علمائے اسلام پر مرزا صاحب اور مرزائیوں کو کافر و مرتد کہنا فرض ہو گیا۔ اگر وہ مرزا صاحب اور مرزائیوں کو کافر نہ کہیں

چاہے وہ لاہوری ہوں یا قدنی وغیرہ وغیرہ تو وہ خود کافر ہو جائیں گے؛
کیوں کہ جو کافر کو کافر نہ کہے، وہ خود کافر ہے۔ (ص۱۳، ۱۴)

تو ثابت ہوا کہ مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی اور مولانا اشرف علی تھانوی علماے دیوبند کے کفریات مفسر و متعین ہیں جن میں اسلام کا احتمال بعید بھی نہیں ہے۔ اس لیے اِن حضرات کی تکفیر اُن تمام لوگوں پر فرض ہے جو ان عبارتوں کے سمجھنے کا دعوی کرتے ہوں۔ اگر وہ تکفیر نہ کریں تو حکم کفر اُن سے بھی متعلق ہوگا۔

ہاں! جہاں احتمال بلا دلیل یعنی بعید ہو،تو فقہائے کرام تکفیر کرتے ہیں اور متکلمین تکفیر نہیں کرتے، بلکہ توقف کرتے ہیں۔

منح الروض ص ۸۷ میں ہے:

عدم التکفیر مذهب المتکلمین والتکفیر مذهب الفقهاء۔

ترجمہ: تکفیر نہ کرنا متکلمین کا مسلک ہے اور تکفیر کرنا فقہا کا مسلک۔

نبراس ص ۳۴۲ میں ہے:

عدم التکفیر مذهب الشیخ الاشعری واتباعه وهوالمروی فی الملتقی عن الامام الاعظم والتکفیر مذهب الفقهاء۔

ترجمہ: امام اشعری اور آپ کے متبعین کا مذہب یہ ہے کہ تکفیر نہیں ہوگی ملتقی میں امام اعظم سے یہی مروی ہے، تکفیر تو فقہا کا مذہب ہے۔

مگر یہ ممکن ہے کسی امر میں کسی کے نزدیک احتمال قریب وعن دلیل ہو ـــــ کسی کے نزدیک احتمال بعید و بلا دلیل ہو ـــــ اور کسی کے نزدیک بلا دلیل بھی نہ ہو، ـــــ مثلاً زید نے بیوی سے عربی زبان میں انت بریّة (تم مجھ سے بری ہو) کہہ دیا۔تو جس شخص کو یہ معلوم نہیں کہ اس نے طلاق کی نیت سے، یا بیوی کے طلاق طلب کرنے پر یہ کہا ہے

،اس کے نزدیک اس جملہ سے طلاق مراد نہ ہونے کا احتمال قریب وعن دلیل ہوگا ـــــــ اور جس کو یہ تو معلوم نہیں کہ اس نے طلاق کی نیت سے یہ جملہ کہا ہے، مگر یہ معلوم ہے کہ بیوی کے طلاق مانگنے پر یہ کہا ہے، اس کے نزدیک اس جملہ سے طلاق مراد نہ ہونے کا احتمال بعید وبلا دلیل ہوگا ـــــــ اور جس کو یہ معلوم ہوجائے کہ اس نے یہ جملہ طلاق کی نیّت سے کہا ہے، اس کے نزدیک احتمال بالکلیّہ نہیں ہوگا۔

یونہی جس شخص کو شوہر کا انت بریّۃ (تم مجھ سے بری ہو) کہنے کا علم خبر واحد (جس میں مخبر کا قابل اعتماد اور خبر کا متصل ہونا شرط ہے) کے ذریعہ ہو، اس کے نزدیک تکلّم میں احتمال قریب وعن دلیل ہوگا ـــــــ اور جس شخص کو خبر مشہور کے ذریعہ ہو، اس کے نزدیک تکلّم میں احتمال بلا دلیل ہوگا ـــــــ اور جس شخص نے اپنے کان سے سنا ہے۔ یا۔ خبر متواتر کے ذریعہ ہوا ہے، اس کے نزدیک تکلّم میں احتمال بالکلّیہ نہ ہوگا۔

ایسے ہی جس باب میں اکراہ عذر ہے، اس باب میں متکلم کے مکرہ ہونے۔ یا۔ جس باب میں رجوع صحیح ہے، اس باب میں متکلم کے کلام سابق سے رجوع کر لینے کا علم جس شخص کو خبر مشہور کے ذریعہ ہو، اس شخص کے نزدیک متکلم میں احتمال قریب وعن دلیل ہوگا ـــــــ اور جس شخص کو یہ علم خبر واحد کے ذریعہ ہو اس شخص کے نزدیک احتمال بعید وبلا دلیل ہوگا ـــــــ اور جس شخص کو خبر واحد کے ذریعہ بھی یہ علم نہ ہو، اس شخص کے نزدیک احتمال بالکلیہ نہ ہوگا۔

فواتح الرحموت ج۲ ص۲۱۶ میں ہے:

یجوز ان یکون المتواترات مختلفة بحسب قوم دون قوم فهذا متواتر عند من طالع کثرة الوقائع والاخبار ... المتواتر لایوجب ان یکون الکل عالمین به الاتری ان اکثر العوام لایعلمون غزوة بدر اصلاً بل المتواتر انّما یکون متواتراً عندمن وصل الیه اخبارتلک الجماعة و ذالک بمطالعة الوقائع والاخبار والمخالفون لم یطالعوا

ترجمہ: ہوسکتا ہے کوئی خبر کسی قوم کے نزدیک متواتر ہواور کسی قوم کے نزدیک متواتر نہ ہو، متواتر اس قوم کے نزدیک ہے جس نے کثرت وقائع واخبار کا مطالعہ کیا ہے.... متواتر ہونے کے لئے لازم نہیں ہے کہ سب اسے جان لیں۔ دیکھیے! غزوۂ بدر جسے ہم تواتر کے ساتھ جانتے ہیں، اکثر عوام اس سے واقف نہیں ہیں۔ متواتر اس کے نزدیک ہوتی ہے جس کے پاس اس جماعت کی خبر پہونچی ہو، اور یہ اخبار ووقائع کے مطالعہ سے ہوتا ہے جبکہ مخالفین نے مطالعہ ہی نہیں کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ یزید کے تعلق سے مشہور ہونے کے باوجود کہ وہ شراب کو جائز قرار دینے کے ساتھ ساتھ محرمات کے ساتھ بھی شادی کرنے کو جائز سمجھتا تھا، اور امام حسین کی شہادت کے بعد کہا کرتا تھا کہ میں نے حسین سے میدان بدر میں اپنے بزرگوں کے قتل کا بدلہ لے لیا۔

طبقات ابن سعد ج۵ص ص۶۶ و ابن اثیر ج۴ص۴۱ میں حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ تعالی عنہ سے منقول ہے:

فو اللہ ما خرجنا علیٰ یزید حتی خفنا ان نرم بالحجارۃ من السماء ان رجلا ینکح الامھات والبنات والاخوات ویشرب الخمر و یدع الصلوٰۃ۔

ترجمہ: خدا کی قسم! ہم یزید کے خلاف اس وقت اٹھ کھڑے ہوئے جبکہ ہمیں یہ خوف لاحق ہوگیا کہ اس کی بدکاریوں کی وجہ سے ہم پر آسمان سے پتھر نہ برس پڑیں۔ کیوں کہ یہ شخص (یزید) ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ نکاح جائز قرار دیتا تھا، شراب پیتا اور نمازیں چھوڑتا تھا۔

علامہ ابن حجر مکّی صواعق محرقہ ص۲۱۸ میں فرماتے ہیں:

قول سبط ابن الجوزی وغیرہ المشھور انہ لما جاء رأس الحسین رضی اللہ عنہ جمع اھل الشام و جعل ینکت رأسہ بالخیزران و ینشد ابیات الزبعری.لیت اشیاخی ببدر شھد واالابیات المعروفۃ و زاد فیھا بیتین مشتملین علیٰ صریح الکفر۔

ترجمہ: سبط ابن الجوزی وغیرہ کا مشہور قول ہے کہ یزید کے پاس حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک آیا تو اس نے اہل شام کو

جمع کر کے خیزران کی اس لکڑی سے جو اس وقت اس کے ہاتھ میں تھی ،امام کے سر انور کو الٹ پلٹ کر نا شروع کیا اور زبعری کے یہ مشہور اشعار پڑھنے لگا: کاش! بدر میں مارے گئے میرے بزرگ آج زندہ وموجود ہوتے الخ ۔اس نے ان شعروں میں دو ایسے اشعار اور بھی زیادہ کئے جو صریح کفر ہیں۔

حضرت علامہ علی قاری شرح فقه اکبر ص ۸۸ میں فرماتے ہیں:

قال ابن همام واختلف في اكفار يزيد قيل نعم لما روى عنه ما يدل علىٰ كفره من تحليل الخمر ومن تفوه بعد قتل الحسين و اصحابه انى جازيتهم بما فعلوا باشياخ و صناديد هم في بدر و امثال ذالك .

ترجمہ: ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ یزید کے کافر ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے بعض نے اسے کافر کہا،اس لئے کہ اس سے ایسی باتیں ظاہر ہوئیں جو اس کے کفر پر دلالت کرتی ہیں مثلا شراب کو حلال کرنا اور حضرت حسین اور آپ کے ساتھیوں کے قتل کے بعد یہ کہنا کہ میں نے بدر میں مارے گئے اپنے بزرگوں اور سرداروں کے قتل کا بدلہ لے لیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ تفسیر مظهری ج ۵ ص ۲۱ میں

فرماتے ہیں:

کفر یزید بدین محمد ﷺ حتی انشد ابیاتا حین قتل حسینا رضی الله عنه مضمونها: این اشیاخی ینظرون انتقامی بآل محمد و بنی هاشم. و آخر الابیات: ولست من جندب ان لم انتقم ،☆من بنی احمد ما کان فعل ☆و ایضا احل الخمر ء و قال : .فان حرمت یوما علیٰ دین احمد☆ فخذها علیٰ دین المسیح بن مریم .

ترجمہ: یزید نے دین محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کا انکار کردیا۔ اس نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر جو اشعار کہے ان کے معنی ہیں۔ ''کہاں ہے میرے بزرگ جو بنی ہاشم اور آل محمد سے میرا بدلہ لینا دیکھ لیں''؟ آخری شعر ہے ''میں احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اولاد سے ان کے کئے کا بدلہ نہ لوں تو جندب کی اولاد نہیں۔'' اسی طرح شراب کو حلال قرار دیا اور کہا: پس اگر یہ شراب دین احمد میں کسی دن حرام ہوئی تو اے مخاطب! تو اس کو مسیح ابن مریم کے دین پر لے لے، یعنی حلال سمجھ۔

عرب میں دو بہت ہی مشہور قبیلے تھے بنو ہاشم اور بنو امیہ، اللہ کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بنو ہاشم کے خاندان سے تھے۔ جنگ بدر، جس میں کفار ومشرکین کو ذلت آمیز شکست ہوئی تھی اور ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے تھے۔ اس جنگ میں

آپ ﷺ کے بالمقابل کفار ومشرکین سے بنو امیّہ ہی کا خاندان تھا۔ یزید جس کا سلسلۂ نسب بنوامیہ سے ملتا ہے، اس نے ان اشعار میں جنگ بدر میں مارے گئے انہی اموی سرداروں کے بدلہ کی بات کہی ہے، جو مفسر و متعین ہے۔تو اس کلام میں غیر کفری معنیٰ کا احتمال بعید بھی نہیں ہے،اس لیے یہ کلام،کفر قطعی،التزامی ہے۔

اسی طرح اس نے شراب کے بارے میں کہا ہے کہ شراب دین محمدی کے مطابق حرام ہے،تو ہوتی رہے۔ہم اسے دین عیسوی کے مطابق مان رہے ہیں،یعنی حلال سمجھ رہے ہیں۔جو،مفسر و متعین ہے۔تو اس کلام میں بھی غیر کفری معنیٰ کا احتمال بعید نہیں ہوا ،اس لیے یہ کلام بھی کفر قطعی التزامی ہے۔

رہی تکلم میں احتمال کی بات!تو جن کے نزدیک یزید کا محرمات سے شادی کو جائز سمجھنا اور یہ اشعار کہنا خبر متواتر سے ثابت ہوا،ان کے نزدیک تکلم میں بھی احتمال بعید نہیں رہا،اس لیے انہوں نے تکفیر کلامی کی۔

ملا علی قاری شرح فقہ اکبر ص ۸۸ میں امام ابن ہمام کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

لعله وجه ماقال الامام احمد بتكفيره لماثبت عنده نقل تقريره۔

ترجمہ: شاید اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل نے یزید کی تکفیر کی ہے کہ اُن کے نزدیک اُس کی اِس بات کی نقل (تواتر سے) ثابت ہوگی۔

علامہ شیخ محمد بن علی الصباح علیہ الرحمۃ والرضوان اسعاف الراغبین ص ۲۱۰ میں فرماتے ہیں:

وقد قال الامام احمد بکفره وناھیک به ورعا وعلما یقتضیان انه لم یقل ذالک الا لما ثبت عنده من امور صریحة وقعت منه توجب ذلک ووفقه علی ذالک جماعة کابن الجوزی وغیره۔

ترجمہ:اور بیشک امام احمد بن حنبل یزید کے کفر کے قائل ہیں اوران کا علم وورع اس بات کا مقتضی ہے کہ انھوں نے یزید کو کافر اسی وقت کہا ہوگا جب ان کے نزدیک صریح طور پر وہ امور ثابت ہوگئے ہوں گے اور یزید سے وہ باتیں واقع ہوئی ہوں گی جو موجب کفر ہیں۔کفر یزید کے قول پر علما کی ایک جماعت نے ان کی موافقت کی ہے جیسے ابن جوزی وغیرہ۔

اور جن تک یزید کے یہ کرتوت خبر متواتر سے نہیں پہونچے، جیسے ہمارے امام، امام اعظم رضی اللہ عنہ، ان کے نزدیک تکلم میں احتمال بعید رہا کہ ممکن ہے یزید کے یہ کرتوت نہ ہوں، اس کے ان کرتوتوں کو روایت کرنے میں راوی سے زیادتی ہوگئی ہو، اس لیے انہوں نے تکفیر کلامی سے توقف کیا۔

امام احمد رضا حاشیہ کوبیہ شہابیہ مندرج فتاوی رضویہ ج ۲۰ بہ ترتیب جدید ص ۱۷ میں فرماتے ہیں:

اس (یزید) خبیث سے ظلم وفسق وفجور متواتر، مگر کفر متواتر نہیں۔

شاہ اسماعیل دہلوی کا کفر

اور جیسے شاہ اسماعیل دہلوی نے اپنی کتابوں مثلا تقویۃ الایمان، صراط مستقیم اور یکروزی وغیرہ کے اندر شان الوہیّت ورسالت میں گستاخیوں پر مشتمل عبارتیں لکھی ہیں، جن میں تکلم کے اعتبار سے احتمال بعید وبلا دلیل بھی نہیں ہے ؛ کیوں کہ شان الوہیت ورسالت میں گستاخیوں پر مشتمل یہ عبارتیں ان سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔تو متعین ہے کہ انہوں نے ہی یہ گستاخانہ عبارتیں لکھی ہیں۔

اسی طرح متکلم کے اعتبا سے بھی احتمال بعید وبلا دلیل نہیں ہے ؛ کیوں کہ ان گستاخی پر مبنی عبارتوں سے توبہ کا ثبوت، خبر واحد (جس میں مخبر کا قابل اعتماد اور خبر کا متصل ہونا شرط ہے) کے ذریعہ بھی نہیں ہے۔تو متعین ہے کہ انہوں نے ان گستاخانہ عبارتوں سے توبہ نہیں کی ہے۔فتاویٰ رشیدیہ کے مستفتی کا توبہ کی بابت لکھنا محض افواہ ہے۔اسی لیے مصنف فتاویٰ رشیدیہ نے بھی اسے افترا قرار دیا ہے۔چنانچہ لکھا ہے:

....اور توبہ کرنا ان کا بعض مسائل سے محض افترا اہل بدعت کا ہے۔(ص:۸۵)

اسے لیے حضرت سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمۃ نے المعتقد مع المعتمد ص ۷۷ میں لکھا ہے:

اقول فما حال من لم یشفق ولم یندم ولم یستغفر و لم

یتب ولم یعترف بخطائه و من جاء من بعده فاصر علیه وقام للخصومة لاحول ولاقوة الا باللہ العلی العظیم۔

ترجمہ: ذرااس کا حال تو دیکھو جو نہ ڈر محسوس کیا نہ نادم ہوا نہ استغفار کیا نہ توبہ کی اور نہ اپنی خطا کا اعتراف کیا۔ اور اس کے بعد آنے والے لوگ اس پر اصرار کرتے اور جھگڑتے رہے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

اور امام احمد رضا نے اس پر المعتمد المستند میں فرمایا ہے:

ارادبه طاغة النجدیه اسمعیل الدهلوی۔

ترجمہ: اس سے مراد نجدیوں کا سرغنہ اسماعیل دہلوی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ نے الموت الاحمر میں فرمایا ہے:

اگر نری افواہ بے سروپا کن فیکون کے بعد اس کے بعض ہوا خواہوں کا مکابرانہ ادعا ہو تو اس پر التفات نہ ہوگا۔ فاحفظ

البتہ کلام کے اعتبار سے فی نفسہ احتمال بعید بلا دلیل ہے کہ ظاہر عبارت سے جو معنی سمجھا جارہا ہے، وہ اس کی مراد نہ ہو، بلکہ بلا دلیل اسلامی معنی مراد ہو۔ اس صورت میں فقہائے کرام کے مسلک پر اس کی تکفیر ہوگی۔ اور امام احمد رضا نے اس کی فقہی تکفیر فرمائی ہے۔ چنانچہ کوکبہ شهابیه میں اس کے فقہی کفریات شمار کر کے فرمایا:

بالجملہ ماہ ومہر نیم روز کی طرح ظاہر وزاہر کہ اس فرقہ متفرقہ یعنی

وہابیہ اسماعلیہ اوراس کے امام نافرجام پر جزماً قطعاً یقیناً اجماعاً
بوجوہ کثیرہ کفرلازم الخ

اور حاشیہ پرفرمایا:

اس میں شک نہیں کہ اس گروہِ ناحق پژوہ پر ہزاروں وجہ سے کفرلازم
اور جماہیر فقہائے کرام کی تصریحیں ان کے صریح کفر پر حاکم الخ

رہا ''تحقیق الفتویٰ'' میں علامہ فضل حق خیرآبادی اور تصدیق وتقریظ نگاروں کا اس کے تعلق سے یہ لکھنا! کہ:

جواب سوال دوم این ست کہ کلام او، بلاتردد واشتباہ، براستخفات منزلت وجاہ آن سرور ومقربان بارگاہ حضرت اللہ وانتقاص شان سائرانبیا وملائکہ واصفیا وشیوخ و اولیا اشتمال دلالت دارد چناں کہ در مقام ثالث مذکور، وفیما سبق مبرہا ومسطور است۔

جواب سوال ثالث این ست کہ قائلِ ایں کلام لاطائل، ازروئے شرع مبین بلاشبہ کافر و بے دین است، ہرگز مومن و مسلمان نیست، وحکمِ اوشرعاً قتل وتکفیر است۔ وہرکہ درکفراو شک آرد، یا تردددارد، یا ایں استخفاف راسہل انگارو، کافر و بے دین و نامسلمان ولعین است
(ص:٦٠)

ترجمہ: دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس کا کلام یقیناً بارگاہ الٰہی کے مقربین کے سردار کی منزلت و جاہ کے استخفاف پر مشتمل نیز اور بھی

انبیا، ملائکہ، اصفیا، مشائخ اور اولیا کی تنقیص پر دال ہے جیسا کہ مقام ثالث میں مذکور اور ماقبل میں دلائل سے ثابت ہوا۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس کا قائل شرع مبین کے اعتبار سے یقیناً کافر و بے دین ہے، ہرگز مومن و مسلمان نہیں۔ شرعاً اس کے لئے حکم قتل و تکفیر ہے جو اس کے کفر میں شک کرے یا متردد ہو یا اس کے اس استخفاف کو معمولی سمجھے، وہ بھی کافر و بے دین اور نا مسلمان و لعین ہے۔

تو یہ بلاشبہ تکفیر کلامی ہے؛ کیوں کہ:

ہرگز مومن و مسلمان نیست، و حکمِ او شرعاً قتل و تکفیر است۔ و ہر کہ در کفر او شک آرد، یا تردد دارد، یا ایں استخفاف را سہل انگارد، کافر و بے دین و نا مسلمان و لعین است۔

ترجمہ: یقیناً کافر و بے دین ہے، ہرگز مومن و مسلمان نہیں۔ شرعاً اس کے لئے حکم قتل و تکفیر ہے جو اس کے کفر میں شک کرے یا متردد ہو یا اس کے اس استخفاف کو معمولی سمجھے، وہ بھی کافر و بے دین اور نا مسلمان و لعین ہے۔

یہ، عربی میں من شک فی کفرہ فقد کفر ہی کی فارسی میں تعبیر اور کفر کلامی ہی کا حکم ہے، کفر فقہی کا نہیں۔

حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ ''الموت الاحمر'' ص: ۳۷ میں فرماتے ہیں:

آپ عبارت صراط مستقیم کو پوچھتے ہیں کہ: اگر وہ متعین ہوتی تو آپ کس انداز سے اس عبارت کو ادا فرماتے؟

جی! اسی طرز سے، جس سے امام اہل سنت و تمام علمائے حرمین طیبین نے خیابان نانوتوی و گنگوہی اور آپ تھانوی صاحبان کی تکفیر فرمائی کہ وہ قطعاً یقیناً کافر مرتد مرتد اور جو ان کو مسلمان جانے بلکہ ان کے کفر میں شک کرے، وہ بھی کافر کافر۔

حضرت ملا علی قاری شرح شفاج ۴ ص ۳۳۸ میں فرماتے ہیں:

وكيف يصح قوله "من شك فی كفره و عذابه كفر" مع ذكر الخلاف فيه.

ترجمہ: جس کے کفر میں اختلاف ہو، اس کے تعلق سے یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ "جو اس کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے"۔

تقویۃ الایمان، یکروزی اور صراط مستقیم وغیرہ کی عبارتیں فی نفسہ معنیٰ کفر میں غیر متعین ہونے کے باوجود ان کے مصنف شاہ اسماعیل کی تکفیر کلامی کرنے کی وجہ یہ ہے کہ علامہ فضل حق خیرآبادی وغیرہ نے جامع مسجد دہلی کے مناظرہ میں ان سے مراد دریافت کر لی تھی اور شاہ اسماعیل صاحب کوئی ایسی مراد نہیں بتا سکے تھے جو اس ظاہری معنیٰ (کفر) کے برخلاف غیر کفری ہوتی، جیسا کہ علامہ فضل رسول علیہ الرحمہ نے "سیف الجبار" ص: ۵۸ و ۵۹ میں لکھا ہے:

مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی... نے ہر طرح مولوی اسماعیل کے رو بروان کا ردوابطال کیا اور تکفیر کی نوبت تحریر کی آئی۔ مسئلہ شفاعت میں مولوی اسماعیل نے حرکت مذبوحی کچھ جواب میں کی، آخر کو عاجز و ساکت ہو گئے۔

اور ہم لکھ آئے ہیں کہ: کوئی جملہ کفری معنی میں ظاہر ہو، اس میں اسلامی معنی کا احتمال بعید و بلا دلیل موجود ہو مگر جب اس کی مراد پوچھی جائے اور وہ نہ بتا پائے تو اسے اس کفری معنی ہی کے لیے مفسر و متعین مان لیا جاتا ہے۔ کیوں کہ؛

فان القرآن السابقة والاحقة ربما تعين على تعين المراد (معتمد مستند ۱۶۴)

ترجمہ: بسا اوقات قرائن سابقہ ولاحقہ معنیٰ مراد کی تعیین پر معین ہوتی ہیں۔

مسلم الثبوت مع فواتح الرحموت ج ۲ ص ۱۶۶ میں ہے:

ان القرينة قد تفيد القطع •

ترجمہ: کبھی قرینہ بھی یقین کا افادہ کرتا ہے۔

اسی کے ص ۲۱۲ میں ہے:

وانت لايذهب عليك ان القرائن الخارجية ربّما تفيد العلم عادة •

ترجمہ: تم سے یہ بات مخفی نہیں کہ بسا اوقات قرائن خارجیہ سے بھی یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر ص ۱۰۴ میں ہے:

لو لم یصدق لوجوب الصلوۃ و حرمۃ الخمر عند السوال کان کافرا۔

ترجمہ: پوچھے جانے پر نماز کی فرضیت اور شراب کی حرمت کی تصدیق نہ کرے تو کافر ہوگا۔

اس لیے علامہ فضل حق وغیرہ کے نزدیک شاہ اسمٰعیل دہلوی کی عبارتوں میں ظاہر کے خلاف معنی کا احتمال بلا دلیل بھی نہ رہا اور وہ عبارتیں ان کے نزدیک توہین کے معنوں میں مفسر و متعین ہو گئیں۔ اور انہوں نے شاہ اسماعیل دہلوی کی تکفیر کلامی کی۔ اور امام احمد رضا کے نزدیک علامہ فضل حق وغیرہ کا شاہ اسماعیل سے مناظرہ کرنا اور ان کا اپنی کوئی صحیح مراد نہ بتا پانا خبر متواتر سے نہیں پہنچی (۱) تو ان کے نزدیک یہ احتمال بعید رہ گیا کہ ممکن ہے انہوں نے اپنی ان عبارتوں کا کوئی ایسا معنی مراد لیا ہو جو کفری نہ ہو، اس لیے امام احمد رضا نے تکفیر کلامی سے توقف کیا۔

فتاوی حدیثیہ، ص:۲۰۱ میں ہے:

---

(۱) تفصیل مطلوب ہو تو فقیر کی تصنیف ''اہل قبلہ کی تکفیر'' میں ملاحظہ کیجیے ۱۲

لایکفی فی الکفر بالانکار ان یقول لہ شخص او اشخاص لم یبلغوا عدد التواتر ھذا واجب او حلال او حرام بل لابد ان یتواتر عندہ ذالک۔

ترجمہ: ایک شخص یا عدد تواتر سے کم چند اشخاص ہی کسی کو یہ بتائیں کہ یہ چیز فرض یا حلال یا حرام ہے اور وہ نہ مانے تو کافر نہیں ہوگا کیونکہ کفر کے لئے بطور تواتر ثبوت ضروری ہے۔

نشاط السکین، ص: ۱۳۷ کے حاشیہ میں ہے:

شرک امر عظیم ہے کسی کلمہ گو کی طرف اس کی نسبت کرنے کو یقین قطعی درکار ... اور حصول یقین کے دو ہی طریقے۔ یا تو کسی کی زبان سے خود اس کا اقرار سنے.... یا بذریعہ تواتر قطعی، نہ افواہِ بازاری، اس کا علم آیا ہو۔

خلاصۂ بحث

خلاصہ یہ کہ یزید کے تعلق سے کلام میں اسلامی معنی کا احتمال بعید بھی نہیں ہے۔ہاں! تکلم میں احتمال بعید ہے۔اور شاہ اسماعیل دہلوی کے تعلق سے کلام میں فی نفسہ احتمال بعید ہے۔ہاں! تکلم میں احتمال بعید بھی نہیں ہے۔

اس لیے یزید اور اسماعیل دہلوی دونوں کا حال یکساں ہے کہ دونوں ہی کے تعلق سے بعض کے نزدیک اسلامی پہلو کا احتمال بعید بھی نہیں رہا،اور بعض کے نزدیک اسلامی پہلو کا احتمال بعید رہا۔

تو جن کے نزدیک اسلامی پہلو کا احتمال بعید نہیں رہا،انہوں نے تکفیر کلامی کی جیسے یزید کے تعلق سے امام احمد بن حنبل اور شاہ اسماعیل دہلوی کے تعلق سے علامہ فضل حق خیرآبادی وغیرہ ــــــ اور جن کے نزدیک اسلامی پہلو کا احتمال بعید رہ گیا،انہوں نے تکفیر کلامی سے توقف کیا۔جیسے یزید ہی کے تعلق سے امام اعظم ابوحنیفہ اور شاہ اسماعیل دہلوی کے تعلق سے امام احمد رضا بریلوی۔

جس سے واضح ہے کہ شاہ اسماعیل دہلوی کی عبارتیں معنی کفر میں فی حد ذاتہا متبین ہیں جن میں اسلامی معنی کا احتمال بعید ہے۔مگر چوں کہ علامہ فضل حق وغیرہ کے پوچھنے پر وہ،اس اسلامی معنی کو نہیں بتا سکے تھے اس لیے علامہ کے نزدیک وہ احتمال ساقط ہو کر کفری معنی ہی متعین ہو گیا تھا جس پر انھوں نے تکفیر کلامی فرمائی ۔امام احمد رضا کو چوں کہ

خبر متواتر کے طور پر یہ معلوم نہیں ہوسکا تھا کہ شاہ اسماعیل دہلوی، پوچھے جانے پر اسلامی معنی کو نہیں بتا سکے تھے جس کی وجہ سے آپ نے سکوت وتوقف فرمایا۔

اس کے برخلاف ان علمائے دیوبند کی متنازع فیہ عبارتیں کفری معنوں میں فی حد ذاتہا متعین ہیں جن میں اسلامی معنی کا احتمال بعید بھی نہیں ہے۔اس لیے جو ان متازع فیہ عبارتوں کے معنی ومطالب کی پوری واقفیت کا دعوی کرے مگر تکفیر نہ کرے تو اس کی بھی تکفیر ہوگی۔

فقیر محمد مطیع الرحمٰن رضوی غفرلہ